ہفت روزہ

12/24

خدام الدین لاہور

بیادگار:
شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی
شیرانوالہ دروازہ لاہور

۱۳ رجب المرجب ۱۳۸۶ھ
۲۸ اکتوبر ۱۹۶۶ء

کے از مطبوعات انجمن خدام الدین ○ لاہور

احادیث الرسول صلی اللہ علیہ وسلم

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ تَضَمَّنَ اللّٰهُ لِمَنْ خَرَجَ فِیْ سَبِیْلِهٖ لَا یُخْرِجُهٗ اِلَّا جِهَادٌ فِیْ سَبِیْلِیْ وَاِیْمَانٌ بِیْ وَتَصْدِیْقٌ بِرُسُلِیْ فَهُوَ ضَامِنٌ اَنْ اُدْخِلَهُ الْجَنَّةَ، اَوْ اَرْجِعَهٗ اِلٰی مَنْزِلِهِ الَّذِیْ خَرَجَ مِنْهُ بِمَا نَالَ مِنْ اَجْرٍ اَوْ غَنِیْمَةٍ، وَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِهٖ مَا مِنْ كَلْمٍ یُكْلَمُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اِلَّا جَآءَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ كَهَیْئَتِهٖ یَوْمَ كُلِمَ: لَوْنُهٗ لَوْنُ دَمٍ وَرِیْحُهٗ رِیْحُ مِسْكٍ۔ وَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِهٖ لَوْلَا اَنْ یَّشُقَّ عَلَی الْمُسْلِمِیْنَ مَا قَعَدْتُ خِلَافَ سَرِیَّةٍ تَغْزُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَبَدًا، وَلٰكِنْ لَّا اَجِدُ سَعَةً فَاَحْمِلَهُمْ وَلَا یَجِدُوْنَ سَعَةً وَیَشُقُّ عَلَیْهِمْ اَنْ یَّتَخَلَّفُوْا عَنِّیْ۔ وَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِهٖ لَوَدِدْتُ اَنْ اَغْزُوَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَاُقْتَلَ، ثُمَّ اَغْزُوَ فَاُقْتَلَ، ثُمَّ اَغْزُوَ فَاُقْتَلَ" رَوَاهُ مُسْلِمٌ، وَرَوَی الْبُخَارِیُّ بَعْضَهٗ۔

"اَلْكَلْمُ": اَلْجُرْحُ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، بیان کرتے ہیں، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے، جو شخص میرے راستے میں جہاد کرنے اور صرف مجھ پر ایمان رکھنے، اور میرے رسولوں کی تصدیق کرنے کی وجہ سے اپنے گھر سے نکلا ہو تو خدا تعالےٰ اس کا ضامن ہے یا اس کو جنّت میں داخل کردے گا (اگر وہ شہید ہو گیا) یا اس کو مکان کی طرف جس سے وہ (جہاد کے لئے) نکلا ہے کامیاب واپس پہنچادوں گا، ثواب کے ساتھ یا غنیمت کے ساتھ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے، کہ وہ کوئی زخم خدا کے راستہ میں نہیں کھائے گا، مگر قیامت کے دن اس کو اس حالت لے کر حاضر ہوگا جیسا زخم کھانے کے وقت تھا اس کا رنگ خون کا رنگ ہوگا۔ اور بو مشک کی ہوگی، اور قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر میں مسلمانوں پر گرانی محسوس نہ کرتا، تو میں کسی لشکر سے جو جہاد کر رہا ہے کبھی پیچھے نہ رہتا لیکن نہ میں خود اتنی وسعت پاتا ہوں کہ سب کو سواری دوں اور نہ مسلمانوں ہی میں اتنی وسعت ہے، اور یہ ان پر گراں ہے کہ میں جہاد پر چلا جاؤں اور وہ مجھ سے پیچھے رہ جائیں، اور قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، بے شک میں تمنا رکھتا ہوں، کہ خدا کے راستہ میں جہاد کروں، اور شہید ہو جاؤں، پھر جہاد کروں، پھر شہید ہو جاؤں، اور پھر جہاد کروں، اور شہید ہو جاؤں، (مسلم) امام بخاری نے اس حدیث کے بعض حصّہ کو ذکر کیا ہے۔

"الکلم" بمعنے زخم۔

وَعَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: مَا مِنْ مَكْلُوْمٍ یُكْلَمُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اِلَّا جَآءَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ وَكَلْمُهٗ یَدْمٰی: اَللَّوْنُ لَوْنُ دَمٍ وَالرِّیْحُ رِیْحُ مِسْكٍ" مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی زخمی نہیں ہوگا، جو خدا کے راستہ میں زخمی کیا گیا ہو، مگر قیامت کے دن ایسے حال میں آئے گا، کہ اس کے زخم سے خون بہتا ہوگا جس کا رنگ تو خون کا ہوگا، مگر خوشبو مشک کی ہوگی، (بخاری و مسلم)

وَعَنْ مُعَاذٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "مَنْ قَاتَلَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ مِنْ رَجُلٍ مُسْلِمٍ فُوَاقَ نَاقَةٍ وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ وَمَنْ جُرِحَ جُرْحًا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَوْ نُكِبَ نَكْبَةً فَاِنَّهَا تَجِیْءُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ كَاَغْزَرِ مَا كَانَتْ لَوْنُهَا الزَّعْفَرَانُ، وَرِیْحُهَا كَالْمِسْكِ" رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ، وَالتِّرْمِذِیُّ وَقَالَ حَدِیْثٌ حَسَنٌ۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا ہے کہ خدا کے راستہ میں جو مسلمان تھوڑی دیر بھی جہاد کرتا ہے اس کے لئے جنّت واجب ہو جاتی ہے اور جو خدا کے راستہ میں کچھ زخمی کر دیا گیا، یا کوئی خراش وغیرہ لگ گئی تو قیامت کے دن اس کو تر و تازہ جیسا کہ وہ تھا ایسا ہی لے کر حاضر ہوگا جس کا رنگ زعفران کا رنگ ہوگا، اور اس کی خوشبو مشک جیسی ہوگی (اس حدیث کو امام ابوداؤد اور ترمذی نے روایت کیا ہے، اور ترمذی نے کہا کہ حدیث حسن ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: مَرَّ رَجُلٌ مِّنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِشِعْبٍ فِیْهِ عُیَیْنَةٌ مِنْ مَاءٍ عَذْبَةٌ فَاَعْجَبَتْهُ فَقَالَ لَوِاعْتَزَلْتُ النَّاسَ فَاَقَمْتُ فِیْ هٰذَا الشِّعْبِ وَلَنْ اَفْعَلَ حَتّٰی اَسْتَاْذِنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ ذٰلِكَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا تَفْعَلْ فَاِنَّ مُقَامَ اَحَدِكُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَفْضَلُ مِنْ صَلٰوتِهٖ فِیْ بَیْتِهٖ سَبْعِیْنَ عَامًا اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ یَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ، وَیُدْخِلَكُمُ الْجَنَّةَ؟ اُغْزُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ، مَنْ قَاتَلَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فُوَاقَ نَاقَةٍ وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ" رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ: حَدِیْثٌ حَسَنٌ۔

"وَالْفُوَاقُ": مَا بَیْنَ الْحَلْبَتَیْنِ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی کا گذر ایک درہ پر سے ہوا۔ اس درے پر ایک چھوٹا سا میٹھے پانی کا چشمہ تھا۔ ان کو چشمہ (پاکیزگی کی وجہ سے) اچھا معلوم ہوا، انہوں نے دل میں کہا، کیا اچھا ہوتا، کہ میں لوگوں سے کنارہ کشی کرکے اس گھاٹی میں رہتا، لیکن جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی اجازت نہ لے لوں، ایسا ہرگز نہ کروں گا۔ آخرکار انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس

(باقی صفحہ ۹ پر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہفت روزہ
خدام الدین
لاہور

ایڈیٹر
مناظر حسین نظر
ٹیلی فون
۶۷۵۴۵

سالانہ
گیارہ روپے
ششماہی
چھ روپے

جلد ۱۲ | ۱۳ رجب المرجب ۱۳۸۶ھ مطابق ۲۸ اکتوبر ۱۹۶۶ء | شمارہ ۲۴۳

گذارشات

گورنر مغربی پاکستان جنرل محمد موسیٰ نے اپنی ماہانہ نشری تقریر میں جہاں اور بہت سی مفید اور کام کی باتیں کہی ہیں وہاں علماء پر بھی زور دیا ہے کہ وہ لوگوں کی معاشرتی اور اخلاقی حالت کو بہتر بنانے میں حکومت کا ہاتھ بٹائیں اور اس سلسلے میں اپنا فرض ادا کریں دوسرے الفاظ میں انہوں نے علماء کی قدر و قیمت کو محسوس کیا اور معاشرے میں ان کے مقام اور ان کی افادیت کو تسلیم کیا ہے۔ ہم گورنر کے اس احساس اور مشورے کی قدر کرتے ہیں اور علماء اسلام کی طرف سے یقین دلاتے ہیں کہ وہ اپنے فرائض کی انجام دہی میں کسی سے پیچھے نہیں رہیں گے۔ اور یہ سب کچھ محض رضاء ایزدی کے حصول کی خاطر ہوگا لیکن ساتھ ہی ہم اپنے بالغ نظر اور پُر عزم گورنر سے کچھ گذارشات کرنا بھی ضروری سمجھتے ہیں۔

۱۔ جہاں تک علماء حق کا تعلق ہے وہ اپنے ہر عمل اور اپنی ہر حرکت کے لئے اپنے آپ کو اللہ کے نزدیک جوابدہ سمجھتے ہیں اور ان کا ہر کام اور زندگی کا ہر لمحہ اعلائے کلمۃ الحق اور خدا و رسولؐ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے وقف ہوتا ہے۔ وہ خدا و رسولؐ کی خوشنودی کو ہر اعتبار سے اوّلیں حیثیت دیتے ہیں اور باقیماندہ تمام چیزوں کو ثانوی درجہ دیتے ہیں۔ اس لئے اگر وہ کتاب و سنّت کی روشنی میں اور ملک و قوم کی فلاح کی خاطر مفید مشورے دیں اور تعمیری تنقید کریں جس میں فی الواقعہ نقضِ امن عامہ کا خطرہ نہ ہو تو حکومت کو ان کے مشوروں اور تنقید کو خندہ پیشانی سے قبول کرنا چاہیئے اور علمائے حق سے گہرا ربط قائم رکھنا چاہیئے تاکہ باہمی اعتماد و تعاون میں اضافہ ہو۔

۲۔ معاشرتی حالات کو بہتر بنانے اور عوام کی اخلاقی اصلاح کے لئے بے حد ضروری ہے کہ بہترین ماحول اور بہترین فضا بھی مہیا کی جائے۔ لیکن معاشرے کی فضا اخلاق و کردار کے لئے ہر اعتبار سے مسموم ہے۔ عریانی و بے حیائی کو کھل کھیلنے کی اجازت ہے، سینما سازی کی وبا عام ہوگئی ہے، ہر بازار میں اور سڑک کے ہر موڑ پہ سینما گھر عوام اور بالخصوص طلبا و طالبات کے اخلاق و اطوار کو تباہ و برباد کرنے کے لئے موجود ہیں، رہی سہی کسر فحش اشتہارات، عریاں اور جنسی خواہشات کو برانگیختہ کرنے والی تصویریں، مخلوط تعلیم اور مخرب اخلاق لٹریچر اور کتابیں پوری کر دیتے ہیں۔ اسی طرح بے حیائی کے دوسرے کئی اور سامان موجود ہیں۔ مگر اس کے برعکس علماء جو بے حیائی اور عریانی کے اس سیلاب کو بند باندھنے والے ہیں اور اخلاق و اطوار کی اصلاح میں بہترین کردار ادا کر سکتے ہیں ان پہ طرح طرح کی پابندیاں ہیں اور صورتحال "سنگہا را بستند و سگاں را کشادند" کی پیدا کر دی گئی ہے۔ بھلا ان حالات میں جب کہ اخلاق سوز حرکات اور ادارے شباب پر ہیں، سامانِ بیحیائی کی فراوانی ہے، عریانی ثقافت کے نام پر پروان چڑھ رہی ہے اور علماء حق مجبور و مقہور اور پابند ہیں معاشرے کی اصلاح کا خواب کیونکر شرمندۂ تعبیر ہو سکتا ہے؟ ظاہر ہے اس صورتحال کا بدیہی نتیجہ یہی ہو سکتا ہے کہ فحاشی عام ہو، چوری، رہزنی، رشوت ستانی، سمگلنگ، اغوا اور قتل کی وارداتوں میں اضافہ ہو اور ہم دلائل و براہین کی روشنی میں یہ عرض کر سکتے ہیں کہ اگر حالات کا تجزیہ کیا جائے تو یہ ساری برائیاں سطور بالا میں بیان کردہ امراض کی کوکھ سے ہی پیدا ہوتی ہیں۔ پس لازم ہے، کہ برائیوں کے قلع قمع کے لئے حکومت بھی بے حیائی عریانی اور تعیش کی راہوں کو بند کرنے کی صدق دلانہ مساعی کرے اور علماء عوام و حکّام کے دلوں میں خوفِ خدا کی آب یاری کرکے ان کے اخلاق و اطوار کو سدھارنے کی کوشش اور صراط مستقیم پر چلنے کی تلقین کریں۔ یہی ایک صورت ہے کہ عوام کے اخلاق و اطوار اور کردار کی اصلاح ہو سکے۔ اس کے علاوہ دوسری تمام صورتیں عبث ثابت ہوں گی۔

ہمیں امید ہے کہ ہمارے نیک عزائم رکھنے والے گورنر جن سے عوام کی بہت سی توقعات وابستہ ہوگئی ہیں ان گذارشات کو بھی پیشِ نظر رکھیں گے۔

وما علینا الا البلاغ

ضروری اعلان

اکثر حضرات چندہ بھیجتے وقت یا خط وکتابت کرتے وقت خریداری نمبر کا مطلقاً حوالہ نہیں دیتے ان کی خدمت میں گزارش ہے کہ بغیر خریداری نمبر کے اُن کی ڈاک کی تعمیل نہیں ہوسکے گی (مینجر)

مجلس ذکر ۵ رجب المرجب ۱۳۸۶ھ مطابق ۲۰ اکتوبر ۱۹۶۶ء

ایمان کی تازگی کا نسخہ

حضرت مولانا عبید اللہ انور مدظلہ العالی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی اما بعد:-

اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان ہے کہ اُس نے ہم سب کو مل جل کر اپنا ذکر کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو استقامت عطا فرمائے آمین

حضورؐ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ کثرت سے لا الٰہ الا اللہ پڑھا کرو۔ کیونکہ یہ جنت کی کنجی ہے اس سے ایمان کو تازگی نصیب ہوتی ہے۔ اولیاء اللہ نے اس حدیث کو اپنی زندگی کا جزو بنایا حضرتؒ نے آسانی کے لئے ایک دن مل جل کر ذکر اللہ کرنے کے لئے رکھا۔ اور روزانہ خود بے شمار تسبیحاں اس کلمہ کی پڑھتے اور دوسروں کو بھی تلقین کرتے۔

حضرتؒ بار بار ایک حدیث کی طرف مسلمانوں کو توجہ دلایا کرتے تھے کہ اپنے گھروں کو ذکر اللہ سے آباد کرو قبرستان نہ بناؤ گھر میں اللہ کی عبادت اور ذکر کرنے سے اللہ کی رحمتیں اور برکتیں نازل ہوتی ہیں آپس میں محبت اور الفت پیدا ہوتی ہے حضورؐ علیہ الصلوٰۃ والسلام سنتیں اور نوافل اپنے حجرہ مبارک میں پڑھ کر صرف فرض نماز کے لئے مسجد میں تشریف لایا کرتے تھے حضرتؒ بھی رات کو تہجد کی نماز گھر میں پڑھتے اور پھر صبح کی نماز تک ذکر جہر فرماتے اور اونچی آواز سے تلاوت قرآن پاک فرماتے۔

سردیوں میں دن چھوٹے اور راتیں لمبی ہوتی ہیں انسان سوتے سوتے تھک جاتا ہے سردیوں کی راتوں میں اللہ اللہ کرنے کا بہت وقت مل جاتا ہے حضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق رات کو جلدی سوئیں اور تہجد کی نماز کے لئے اٹھیں۔ اور ٹھاٹھ سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کریں۔ یاد رکھیں عبادت میں ریا الناس سے بچنا بہت ضروری ہے ریا شرک اصغر ہے جو اعمال کو تباہ کر دیتا ہے رات کی عبادت میں جب کہ لوگ سو رہے ہوں اپنے گھر ذکر اللہ تلاوت قرآن اور اللہ کی بارگاہ میں نماز پڑھنے سے ریا الناس کا خطرہ ختم ہو جاتا ہے۔

حضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے تازگی ایمان کے لئے کلمہ طیبہ کا نسخہ فرمایا۔ ہمیں چاہئیے کہ ہم کثرت سے اس کلمہ کو پڑھیں یہی لا الٰہ الا اللہ مومن اور کافر میں امتیاز کرتا ہے مومن اقرار کرتا ہے۔ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں یعنی ہم اللہ تعالیٰ سے اقرار کرتے ہیں۔ کہ کسی کی عبادت نہیں کریں گے مگر تیری تیرے سوا کسی کے آگے نہیں جھکیں گے تیرے سوا کسی کو سجدہ نہ کریں گے مدد مانگیں گے تو صرف تجھ ہی سے اور راضی کریں گے۔ تو صرف تجھ ہی کو۔ تو جب یہ اقرار کریں تو پھر اللہ تعالیٰ سے پوچھیں گے کہ آپ کن باتوں سے خوش ہوتے ہیں اور کن باتوں سے ناراض ہوتے ہیں اس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے کلمہ کے دوسرے حصے میں فرمایا محمد رسول اللہ اور ہم اسکا اقرار کریں کہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کا طریقہ اپنائیں گے تو صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

ما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی۔ جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نہیں فرماتے اپنے نفس کی خواہش سے آپ جو کچھ دین کے بارے میں فرماتے ہیں وہ سب کچھ اللہ کے حکم اور وحی سے ہوتا ہے۔ اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول۔ اطاعت کرو اللہ کی اور اُس کے رسول کی۔ قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ ویغفرلکم ذنوبکم۔ آپؐ فرما دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری تابعداری کرو۔ اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگے گا اور تمہارے گناہ معاف فرما دے گا اسی طرح کی اور بے شمار آیات قرآن مجید میں ہیں ان سب کا مفہوم یہ ہے کہ حضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم اللہ تعالیٰ کا حکم ہے آپؐ کے نقش قدم پر چل کر اپنی زندگی گزارنا اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنا ہے فقط حضورؐ کی اتباع اور پیروی ہی سے اللہ تعالیٰ راضی ہوں گے۔ ہم سب پر ماننا فرض ہے کہ حضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم ہی اللہ تعالیٰ کے منتخب ہیں اور اُن ہی کی زندگی کو اپنانے سے نجات کا سرٹیفکیٹ ملتا ہے آج ہمارے پاس حضورؐ کا زندہ معجزہ قرآن مجید اور اُس کی شرح حدیث محفوظ ہے آج کسی مذہب کے پاس اُس کے رہنما اور نبیؑ کی زندگی محفوظ نہیں۔ فقط مسلمانوں کو یہ فخر ہے۔ کہ اُن کے پاس اللہ تعالیٰ کے آخری رسولؐ کی ساری زندگی محفوظ ہے جو کہ مسلمانوں کے لئے مشعل راہ ہے حضورؐ کا ہر قول اور ہر فعل احادیث مبارکہ میں محفوظ ہے۔

دنیا میں کسی مذہبی کتاب کا کوئی حافظ نہیں لیکن قرآن مجید کے حافظ ہر جگہ آپ کو نظر آئیں گے۔ اگر آج کتابی شکل میں قرآن مجید ختم کر دیا جائے۔ اور پریس میں قرآن مجید چھپنا بند ہو جائے۔ تو یہ ظاہری پریس بند ہو سکتے ہیں۔ لیکن دل و دماغ کے پریس میں یہ برابر چھپتا رہے گا وہاں کی چھپائی دنیا کی کوئی طاقت بند نہیں کر سکتی۔

دنیا میں کوئی انسان غیر ملکی زبان میں کسی کتاب کو یاد نہیں کر سکتا۔ لیکن یہ قرآن مجید ہی کا معجزہ اور اسلام کی صداقت ہے۔ کہ ہر زبان جاننے والے اس قرآن کے حافظ ہیں۔ چاہے وہ سندھی ہوں پنجابی ہوں بنگالی ہوں۔ ایرانی ہوں۔ روسی ہوں یا ہندوستانی ہوں

حضورؐ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کا منشا یہ تھا کہ حضورؐ دنیا سے غیر اللہ کا حکم اور قانون ختم کر کے۔ صرف اللہ تعالیٰ کا قانون جاری کریں۔ اسی کے حکم کی نشر و اشاعت کی جائے۔ یہی کلمہ لا الٰہ الا اللہ میں سبق پڑھایا جاتا ہے کہ دنیا میں قانون ہے تو صرف اللہ تعالیٰ کا۔ خوف اور ڈر ہے۔ تو صرف اُسی کا جھکیں گے تو صرف اُسی کے آگے نام لیں گے تو صرف اُسی کا تعلق رکھیں گے تو صرف اُسی سے دوستی و دشمنی ہوگی تو صرف اُسی کی رضا کے لئے۔

محترم حضرات! لا الٰہ الا اللہ ہی اسلام کی بنیاد اور ہمارا ایمان اور اعتقاد ہے۔ سارا اسلام اس میں آ جاتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے پوچھا۔ کہ مجھے ایسا حکم بتائیں جس سے آپ کی رضا حاصل ہو تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ لا الٰہ الا اللہ پڑھا کرو حضرت موسیٰؑ نے عرض کی اے باری تعالیٰ میں کوئی مخصوص چیز چاہتا ہوں۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ اگر ترازو کے ایک پلڑہ میں لا الٰہ الا اللہ اور دوسرے پلڑے میں ساری کائنات اور جو کچھ اس میں ہے رکھ دی جائے۔ تو کلمہ والا پلڑہ بھاری رہے گا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو کلمہ طیبہ کو کثرت سے پڑھنے اور نیک اعمال کی ہمت و توفیق عطا فرمائے۔ کیوں کہ یہی ایمان کی تازگی کا نسخہ ہے۔



۶؍ رجب المرجب ۱۳۸۶ھ بمطابق ۲۱؍ اکتوبر ۱۹۶۶ء

صبر کے بغیر ایمان ناقص ہے



حضرت مولانا عبید اللہ انور مد ظلہ العالی



الحمد للہ وکفٰی وسلامٌ علیٰ عبادہ الّذین اصطفٰی: امّا بعد: فاعوذ باللہ من الشّیطٰن الرّجیم

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ٥ (بقرہ ع ۱۹)

ترجمہ: بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

بزرگان محترم! معیت دو قسم کی ہے ایک معیّت عامہ جو بذریعہ علم و احاطہ ہوتی ہے اور اللہ کی معیّتِ عام کافر و مومن، فاسق و صالح اپنے ہر بندہ کے ساتھ ہے۔ وھو معکم این ما کنتم یہاں یہ معیّتِ عام مراد نہیں بلکہ دوسری قسم معیّتِ خاصہ مراد ہے جس کا نتیجہ حفاظت و نصرت اور تائیدِ الٰہی ہوتا ہے۔ چنانچہ اسی معیّتِ الٰہی کا احساس و استحضار تھا جس نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کو بے پناہ قوت، جرائت اور بے خوفی کا مالک بنا دیا تھا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ یہی تصوّر ایک ایسا سہارا اور مونس ہے جو ہر تلخ کو شیریں، ہر زہر کو قند اور ہر ناگوار کو خوش گوار بنا دینے کو کافی ہے۔

اب یہ نعمتِ عظمٰی حاصل ہوتی ہے صبر کرنے والوں کو۔ اس لئے یہ جاننا ازبس ضروری ہے کہ صبر کیا ہے؟

صبر

کے لغوی معنی تنگی اور ناخوش گواری کی حالت میں اپنے کو روکے رہنے کے ہیں اور اصطلاح میں صبر کو اس لئے صبر کہتے ہیں کہ اس میں بھی دل کو گریہ و زاری سے اور زبان کو شکوہ سے اور جوارح کو بے قراری سے روک لینا ہوتا ہے غرض شریعت میں صبر کے معنی یہ ہیں کہ نفس کو عقل پر غالب نہ آنے دیا جائے اور قدم شریعت کے دائرہ سے باہر نہ نکالا جائے۔

صبر کی حالتیں

بزرگوں نے صبر کی تین حالتیں بیان کی ہیں:-

(۱) صبر باللہ (۲) صبر لِلّٰہ (۳) صبر مع اللہ۔

صبر باللہ کے معنی یہ ہیں کہ صبر اپنے نفس کے لئے نہ ہو بلکہ اللہ کے لئے ہو جیسا کہ ارشادِ ربّانی ہے:

وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰہِ

(نحل ع ۱۶)

اور صبر کیجئے اور آپ کا صبر تو اللہ ہی کے لئے ہے۔

۲- صبر لِلّٰہ کے معنی یہ ہیں کہ صبر کا باعث محبت الٰہی اور ارادۂ تقرّبِ الٰہی ہو۔ نہ قوتِ نفس کا اظہار ہو اور نہ خلقِ خدا میں تعریف کرنے کا شوق ہو۔

۳- صبر مع اللہ کے معنی یہ ہیں کہ بندہ اپنے نفس کو اوامر الٰہی اور محارمِ الٰہی کا مطیع بنا دے۔ جہاں چلنے کا حکم ہو چل پڑے جہاں رُک جانے کا حکم ہو رُک جائے۔ یہ صبر صدّیقین کا ہے اور یہی سخت تر قسم صبر کی ہے۔

سیّدنا یوسف علیہ السلام کے صبر کو دیکھئے۔ جوانی ہے خالی مکان ہے، مجرّدی ہے، نفس کے مطابق خواہش کے سامان ہیں، بے وطنی ہے جہاں نہ تو خویش و اقارب کا دباؤ ہوتا ہے اور نہ ان کی طرف سے حیاء ہوتی ہے محکومی ہے، حسین عورت کی ذاتی درخواست ہے اور درخواست کے ساتھ ہر قسم کا مکر و فریب شامل ہے، لالچ اور خوشامد ہے اور اس کے ساتھ دھمکی یہ سب چیزیں ایسی ہیں جن کی موجودگی صدیق کے منصب صبر کو نہایت بلند کر دینے والی ہیں۔ اللہ تعالےٰ ہم سب کو بھی صبر کا اعلیٰ مقام نصیب فرمائے۔

محترم حضرات! آپ انبیاء اولیاء کے حالات پر نظر ڈالئے تو یہ بات صاف طور پر نظر آئے گی کہ قربِ خداوندی کی دولت جن بزرگوں نے بھی پائی ہے خواہ وہ انبیاء تھے یا اولیاء سب کے سب اسی صبر کی راہ سے گزرے ہیں۔ حضرت پیرانِ پیر سیّدنا و مولانا شیخ عبدالقادر جیلانی محبوب سبحانی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق مصائب کے وقت صبر کرنا ایک ایسی راہ ہے جس کا منتہیٰ جمالِ محبوب اور رضاء دولت ہے۔ اس راہ سے گزرے بغیر اگر کوئی شخص خدا تعالیٰ کی محبت

کا دعوےٰ کرتا ہے تو اس کا دعوےٰ بلا دلیل ہے۔ چنانچہ صبر محبت کی راہ کی مشعل بھی ہے۔ اور دلیل ہے۔

صبر کے بدلے جنّت

حضرت رمیصہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا طلحہ رضی اللہ عنہ کی زوجۂ محترمہ اور صحابیہ ہیں۔ اور ان کا چھوٹا لڑکا بیمار تھا۔ حضرت طلحہؓ گھر سے باہر گئے ہوتے تھے کہ لڑکا فوت ہو گیا۔ حضرت رمیصہ رضی اللہ عنہا نے اس کے منہ پر کپڑا ڈال دیا۔ جب حضرت طلحہؓ رات کو گھر آتے تو بچے کا حال پوچھا۔ انہوں نے کہا کہ پہلے سے اچھا ہے۔ پھر ان کے سامنے کھانا رکھا جب وہ کھانا کھا چکے تو بیوی نے کہا کہ میں نے اپنے ہمسایوں کے پاس ایک چیز بطور امانت رکھی تھی۔ اب میں طلب کر رہی ہوں تو وہ رو رہی ہے۔ حضرت طلحہؓ نے فرمایا وہ بڑی احمق ہے۔ کہ امانت واپس دینے پر روتی ہے۔ حضرت رمیصہؓ نے کہا کہ تیرا چھوٹا لڑکا اللہ تعالےٰ نے ہمیں امانت کے طور پر دیا تھا وہ اس نے واپس لے لیا ہے۔ حضرت طلحہؓ نے اس پر انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھ کر صبر اختیار کیا اور صبح کے وقت کے ماجرا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سنایا۔

آپ نے فرمایا۔ میں نے رات کو رمیصہؓ کو جنت میں دیکھا ہے۔

اعلیٰ درجات

حدیث شریف میں ہے کہ جنتی جب جنّت میں داخل ہوں گے تو اپنے سے بلند مرتبہ اور اعلیٰ مکانوں میں کچھ لوگوں کو دیکھ کر کہیں گے کہ دنیا میں اعمالِ صالحہ تو ہمارے زیادہ تھے لیکن مرتبے ان کو مل گئے۔ اللہ میاں سے اس کی وجہ پوچھیں گے تو ارشاد ہوگا کہ ان کو دنیا میں مصیبتیں اور تکلیفیں آئیں جس پر انہوں نے صبر کیا اور اسی وجہ سے ان کو بلند مرتبے عطا کئے گئے۔ اس وقت دوسرے جنتی کہیں گے کہ کاش ہمارے جسم قینچیوں سے کاٹے جاتے تاکہ ہم یہ مرتبہ حاصل کرتے۔

اہل صبر کو بلا حساب عطیہ

قولہ تعالےٰ۔ اِنَّمَا یُوَفَّی الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَھُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ ۵ (زمر ۲۴)

ترجمہ:۔ بیشک صبر والوں کو ان کا اجر پورا پورا دیا جائے گا۔

حاصل

یہ نکلا کہ اہل صبر کو بلا حساب عطیہ دیا جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صبر کو ایمان کا سر قرار دیا اور اس کے بغیر ایمان کو ناقص ٹھہرایا ہے۔

ایمان کا سر

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جس طرح انسان کے بدن کے لئے سر کا درجہ ہے کہ بغیر سر کے انسان زندہ نہیں رہ سکتا اسی طرح ایمان کا سر صبر ہے اگر صبر نہیں تو ایمان ناقص ہے۔

اسی طرح امام المحدثین بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الادب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت بیان کیا ہے آپ نے فرمایا اَلصَّبْرُ وَالسَّمَاحَۃُ یعنی صبر اور سیر چشمی۔

سماحت۔ جوانمردی۔ نرمی۔ آسانی پیدا کرنا سیدھے رویے اور سرکشی و نفرت چھوڑ دینے کو کہتے ہیں۔

اللہ تعالےٰ ہم سب کو صبر و سماحت کی دولت سے مالا مال فرمائے۔ اپنی راہ پر چلنے اور اپنی رضا سے ہمکنار ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔

(آمین یا الہ العالمین)

لگن کے کرشمے

عبدالہادی ۔ لاہور

دل ایک آئینہ ہے۔ آئینے کا کام یہی ہے کہ وہ کسی چیز کا عکس پیش کرتا ہے۔ اسے مبالغہ یا کمی بیشی سے کوئی سروکار نہیں۔ جہاں آئینہ ظاہری کیفیات کی غمازی کرتا ہے، وہاں دل ہمیں باطنی احساسات وکیفیات سے آگاہ کرتا ہے۔ مومن کے دل کو اسی لئے ایک صاف و شفاف آئینے سے تشبیہ دی گئی ہے، کہ وہ محبوب کا پرتو ہے۔ دل کا آئینہ گدلا ہو، تو جمالِ یار سے محروم ہوتا ہے، اور دلی کیف و سرور تو روحانی تعلق اور لگن ہی کے باعث ہے۔ تعلق ہی درست نہ ہو، تو محبوب کی یاد کیسے کیف و مستی سے ہمکنار کر سکتی ہے۔ مومن کا تعلق چوں کہ براہِ راست محبوبِ حقیقی سے ہوتا ہے، اسی لئے خدا کی یاد میں اسے راحت محسوس ہوتی ہے، اور جس دل کو یادِ الٰہی میں لذت آئے، حقیقت میں وہی زندہ کہلانے کا مستحق ہے۔ اس کے برعکس مُردہ دل پر گناہوں کے باعث تاریکی چھا جاتی ہے۔ بھلا اُسے کیوں کر کیف و سرور آئے گا۔ مایوسی و ناکامی ہی ایسے دل کا حصہ ہے۔ پھول جب تک ٹہنیوں سے لگے رہیں، ان پر بہار ہی بہار ہے۔ ٹہنیوں سے الگ ہونے کے باعث اُن کی زندگی ختم ہو جاتی ہے۔ یہی حالت مومن کے دل کی ہے۔ جب تک اس کا تعلق محبوبِ حقیقی سے قائم رہتا ہے اس پر بہار ہی بہار ہے، اور کیف و مستی بھی تو ایسے ہی دل کا حصہ ہے۔ جب خدا سے تعلق اور لگن ہی نہ ہو، تو ایسے دل پر بہار کیسی؟ وہاں تو تاریکی ہی تاریکی ہے۔ گمراہی کی ظلمت و تاریکی میں نہایا ہوا دل پستی کی طرف گامزن ہے۔ اس پر خزاں آکر رہے گی آگ قریب آنے والے کو بھسم کرکے رکھ دیتی ہے۔ اس کا وجود کسی چیز کو خاکستر بنا دیتا ہے۔ اسی طرح جس دل میں عشق و مستی کی شمع روشن ہو، وہ قریب آنے والے کو جلا کر رکھ دے گی۔ ایسے دل سے نکلے ہوئے الفاظ تیر کی طرح سینوں میں پیوست ہو جاتے ہیں۔ ظاہر ہے، یہ سب لگن ہی کے کرشمے ہیں صحابۂ کرامؓ کے دل چوں کہ عشق و مستی کی آگ میں جل چکے تھے، اسی لئے وہ دوسروں کو متاثر کئے بغیر نہ رہتے تھے۔ اور دوسروں کو اپنا گرویدہ بنا لیتے تھے۔ اور ایسے ہی انسانوں کے دلوں سے اُبھرتی ہوئی نور و ہدایت کی روشنی، گمراہی کی تاریکیوں میں بھٹکتے انسانوں کے لئے مشعلِ راہ ہے۔ ظاہر ہے، کہ ان تمام روحانی کیفیات کا منبع و سرچشمہ دلی لگن اور تعلق ہی روحانیت کا بنیادی پتھر ہے، جو عشق و مستی کے لئے سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔

کسی ذات سے مکمل وابستگی ہو جانے کے بعد اس کی جفا بھی ادا معلوم ہونے لگتی ہے۔ تعلق کے بغیر اداؤں میں بھی مزا نہیں آتا۔ ہزار انعام و اکرام کی بارش بھی اس کے اس جذبۂ ممنونیت کو بیدار نہیں کر سکتی، جو تعلق خاطر کا نتیجہ ہوا کرتا ہے۔ بچہ ہر چیز سے بے خبر ماں کی طرف لپکتا ہے، اس لئے کہ اُسے ماں کی محبت پر کامل اعتماد ہوتا ہے، اور یقین و اعتماد ہی تعلقات کی جان ہوا کرتے ہیں۔

اسلام حضرت بلالؓ کے رگ و ریشے میں سرایت کر چکا تھا۔ اُن کا تعلق چوں کہ محبوبِ حقیقی سے براہ راست تھا، اس لئے مصائب و تکالیف انہیں حق سے متزلزل نہیں کر سکیں۔ بلکہ جوں جوں مصائب و مظالم میں اضافہ ہوا خدا کے نام پر خاک و خون میں تڑپنے کی آرزو اتنی ہی بڑھتی چلی گئی۔ درد کی شدت اس لطیف احساس میں گم ہو چکی تھی، کہ رحمان و رحیم کی نظرِ خاص اُن کی طرف اُٹھی ہوئی ہے، خدا تعالےٰ اُن کی اس تکلیف سے بخوبی واقف ہے۔ یہی احساس دل میں لئے وہ آگ کے انگاروں پر تڑپنا اپنے لئے باعثِ سعادت سمجھتے تھے۔ آخر یہ سب کچھ تعلق ہی کی کرشمہ سازیاں ہیں۔ سوز و درد کی تکلیف دل میں ہوتی ہے، اور وہ تو صرف اس قلبی کیفیت کی غماز ہوتی ہے۔ جس سے سینہ لبریز ہو۔ ساز ہی بیکار ہو، تو صدا کیسی؟ حضرت بلالؓ کا سارا سوز و ساز اسی ذلت کا عطیہ تھا جو طمانیت قلب کا باعث ہے۔ محبوب کی پسند کو اپنی پسند پر ترجیح دینا ہی عشق کی معراج ہے۔ اور اس کا دار و مدار تعلق کی پائیداری پر ہے۔ محبت زخم کھا کر بھی دعا دینے کی خوگر ہوتی ہے، اور ہوس کسی حال میں بھی مطمئن نہیں ہوتی۔ حضرت بلالؓ کے دل میں چوں کہ رب کی محبت جاگزیں تھی، اسی لئے انہیں تڑپنے میں لذت آتی تھی، اور تعلق براہ راست محبوبِ حقیقی سے ہونے کے باعث طمانیت قلب کا ذریعہ تھا۔

اورنگزیب عالمگیرؒ کے زمانے میں ایک ہندو راجہ مر گیا۔ وزراء اس کے بارہ سالہ بچے کو تخت پر بٹھانا چاہتے تھے۔ لیکن اس راجہ کا بھائی خود تخت پر بیٹھنا چاہتا تھا۔ ایک وزیر اورنگزیب عالمگیرؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور راستے میں اس کو سبق دیتا رہا کہ اگر بادشاہ فلاں سوال پوچھے تو یہ جواب دینا، اگر فلاں پوچھے تو اس طرح جواب دینا۔ اس نے کہا کہ اگر بادشاہ نے اس کے سوا کچھ پوچھ لیا تو پھر کیا ہوگا۔ وزیر نے کہا کہ جس نے تمہیں یہ سوال سمجھایا ہے، وہ جواب بھی بتا دے گا۔ جب دونوں اورنگ زیبؒ کی خدمت میں پہنچے تو وہ حوض پر وضو کر رہے تھے۔ وزیر نے ماجرا بیان کیا۔ آپ نے لڑکے کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر حوض میں گرانا چاہا لڑکا بڑے زور سے ہنسنے لگا۔ آپؒ نے وجہ دریافت کی تو کہنے لگا کہ اگر کوئی

کسی کی انگلی پکڑ لے تو وہ ڈوب نہیں سکتا اور آپ نے میرے دونوں ہاتھ پکڑ لئے ہیں بھلا میں کیسے ڈوب سکتا ہوں" اگر بہ نظرِ غور دیکھا جائے تو یہ حقیقت عیاں ہو جاتی ہے کہ جب بندہ اپنے مولا سے تعلق اور رشتہ قائم کر لے تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ اسے تنہا مصائب و تکالیف میں چھوڑ دے گا۔ وہ ذات تو بڑی ہی مونس و غمخوار ہے، بھلا وہ ہمارا درد کیوں نہ سُنے گا۔ اس کی بارگاہ میں عجز و انکساری سے سجدہ نیاز بجا لاؤ۔ آنسوؤں سے زمین تر کر دو۔ تمہاری آہیں اور سسکیاں اس کی رحمت کو جوش میں لے آئیں گی خدا کا فضل شاملِ حال ہو تو دنیا ذرہ بھر نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ خدا کے ساتھ تعلق جوڑنے کی کوشش کرو۔ بے شک سب سے عظیم اور واحد سہارا خداوند کریم کا ہے۔

بیمار جسم کو غذا کی صحیح لذت نصیب نہیں ہو سکتی اور بیمار روح کو خدا کا نام لینے میں کبھی مزا نہیں آ سکتا۔ تعلق ہی نہ ہو تو مزا کیسا؟ لگن ہی نہ ہو تو مستی کیسی؟ سوتیلی ماں کو بچہ لاکھ بار اماں کہہ کر پکارے، اس کی پکار بے اثر ہو گی۔ نہ ہی پکارنے والے کے دل میں کوئی مستانہ جذبہ پیدا ہو گا اور نہ ہی سننے والے کی سماعت لذت گیر ہو گی۔ پکار وہی متاثر ہو سکتی ہے جو دل سے نکلی ہو۔ دل سے نکلی ہوئی صدا کبھی رائیگاں نہیں جاتی۔ وہ جذبات میں ہیجان اور طوفان پیدا کر دیتی ہے۔ بندے کا جب مولا سے رشتہ جڑ جاتا تو آواز میں سوز و درد خود بخود پیدا ہونے لگتا ہے۔ یاد بھی مزا دینے لگتی ہے۔ اور پکار بھی۔ اور یہی پکار اس کی بارگاہ میں قبولیت کا درجہ حاصل کر لیتی ہے۔ آنسوؤں کا سیلاب آ جائے، تو پھر دل کی کون سی کثافت باقی رہ سکتی ہے۔ ایک مرتبہ ایک ایک حسینہ نے اپنے عاشقِ زار سے کہا، کہ میں تم سے صرف اس شکل میں ملنے کے لئے تیار ہوں گی، جب تم اپنی والدہ کا دل اس کے سینے سے نکال کر مجھے لا دو گے۔ محبت میں اندھا نوجوان یہ سُن کر کوچۂ محبوب سے نکلا اور جب سائیں سائیں کرتی ہوئی رات دنیا پر محیط ہو گئی، تو اس نے اپنی سوتی ہوئی ماں کے سینے کو خنجر سے چیرا، اور اس کے دل کو طشت میں سجا کر ڈگیں بھرتا ہوا اپنی محبوبہ کی بستی کی طرف چل پڑا۔ راستے میں اسے ٹھوکر لگی، اور وہ لڑکھڑا کر زمین پر گر پڑا۔ خاک و خون میں لتھڑے ہوئے ماں کے دل نے لرزتے ہوئے پوچھا: "بیٹا چوٹ تو نہیں لگی" غور کیجئے ماں کی محبت جو کہ رب ہی کی ودیعت کردہ ہے، اپنے بچے کی تکلیف کو کیوں کر برداشت کر سکتی ہے۔ بندے سے مولا کی محبت و پیار کا کون اندازہ کر سکتا ہے، بھلا وہ اپنے بندے کے دُکھ درد کو کیوں نہ سمجھے گا۔ خدا کی قسم! وہ ذات تو بڑی ہی مونس و غم خوار ہے۔ شرط یہ ہے، کہ اُسے پکارا جائے۔ دل میں خدا کی محبت پیدا کرو، اپنے دل کو محبوبِ حقیقی کی یاد سے لبریز کرو، پھر دیکھئے لذت کیوں نہ آئے گی، تعلق ہی نہ ہو۔ تو کیف و سرور کیسے حاصل ہو گا۔

کائنات پر نظر ڈالئے ہر چیز مصورِ حقیقی کا شاہکار ہے۔ چرند، پرند، انسان حیوان، نباتات، ہر ایک اُسی کی عظمت کی گواہی دیتی ہے۔ درخت زمین سے اپنی خوراک حاصل کرتا ہے، اور جب تک اس کا تعلق زمین سے قائم ہے اس پر بہار ہی بہار ہے۔ ہوا اور دھوپ اسے دائمی زندگی سے ہمکنار کرتے ہیں۔ درخت کو جب ذخیرہ زمین میسر نہ آئے، ہوا اور دھوپ تک نہ لگے۔ تو اس پر خزاں آ کر رہے گی۔ اُسے فناہ سے ہمکنار ہونا پڑے گا۔ اگر بہ نظرِ غور دیکھا جائے تو یہ مثال مومن پر صادق آتی ہے۔ جب تک خالقِ حقیقی سے اس کا تعلق اور رشتہ قائم رہتا ہے اسے دائمی کیف و سرور حاصل ہو گا، خدا کی یاد اسے سکون سے ہمکنار کر دیگی۔ تعلق ہی نہ ہو تو آہ و فغاں بے کار ہے۔ اس میں قصور ہمارے دل کا ہے، جو گناہوں میں لتھڑ چکا ہے۔ بھلا سکون و دل کیوں کر ہو، قرآن مجید میں سکونِ دل کے متعلق بیان کیا گیا ہے "اور دلوں کو اطمینان تو خدا کے ذکر سے ہوتا ہے" یعنی دل کی زندگی اللہ کی یاد پر منحصر ہے، اور یاد ہی کسی ذات سے تعلق کی بنیاد ہے۔ ہم ہزار مرتبہ بھی زبان سے اسلام سے محبت کا اظہار کریں، لیکن اگر عمل سے اپنے اس تعلق کو ثابت نہیں کرتے، تو یہ دعویٰ فضول ہے، اور کبھی بھی نہ سنا جائے گا۔ محبت اور لگن ایک لطیف جذبے کی مانند ہے اور جذبات کبھی الفاظ کی گرفت میں نہیں آ سکتے۔ بلا شبہ جذبات ہی محبت اور تعلق کے آئینہ دار ہیں۔

محبت کی آگ میں یہ خاصیت ہے کہ وہ ہر آگ پر غالب آ سکتی ہے۔ آتشِ نمرود کو گلزار بنا سکتی ہے، قدرت بھی محبت کے احترام کے لئے اپنے قوانین بدل دیتی ہے۔ عقل کے احترام کے لئے کبھی قانون نہیں بدلتا۔ عقل کے لئے آتشِ نمرود گلزار نہیں بن سکتی نہ دریاؤں کے راستے بدل سکتے ہیں۔ محبت کی پکار کبھی رائیگاں نہیں جاتی اس نے جب بھی پکارا ہے، کامیابی ہوئی ہے۔ حضرت موسیٰ کو وہ طور پر خدا تعالےٰ سے ہم کلام ہوتے تھے شوق بڑھتا چلا گیا، تو اس ذات کو دیکھنے کی بے پناہ آرزو دل میں پیدا ہوئی کہ آخر پردہ کے پیچھے کیا ہے؟ لیکن کوہ پہاڑ تجلی کو ہی برداشت نہ کر سکے اور بے ہوش ہو گئے۔ یہ تعلق ہی تو تھا، جو شوق کی شکل اختیار کر گیا۔ تعلق ہی نہ ہو، تو یاد کیسے کیف و مستی سے ہمکنار کر سکتی ہے۔ بلکہ وہاں تو ناکامی ہی ناکامی ہے اور ایسے ہی دلوں کو مردہ قرار دیا گیا ہے جن میں محبوبِ حقیقی سے تعلق اور لگن مفقود ہے۔ طلب جب حد سے بڑھ جاتی ہے۔ اور بے چارگی قدم اٹھانے کی اجازت نہیں دیتی، تو قدرت اپنے قوانین بدل دیتی ہے۔ ہاجرہؓ کے سینے کا سوز معصوم بچے کے قدموں میں پانی کا چشمہ بن کر اُبلنے لگتا ہے، اور ایک دنیا سیراب ہوتی ہے۔ ہمیں خدا کی یاد دل کی گہرائیوں سے کرنی چاہئے، پھر دیکھئے اثر کیوں نہیں ہوتا، اور دل سے نکلی ہوئی پکار بھی رائیگاں نہیں جاتی، اسے تو ہر حال میں کامیابی ہی ہوتی ہے اور پکار کا انحصار تو لگن اور تعلق پر ہی ہے۔

صہیب رومیؓ نے اسلام کی سربلندی کے لئے جو تکالیف اٹھائی ہیں، وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ خدا کی راہ میں آبلہ پائیوں اور جسم فگاریوں کا ہر نیا موقع پاکر ان کا چہرہ خوشی سے تمتما اٹھتا تھا، پھولوں کی طرح کھل جاتا تھا۔ انہیں ہر ممکن تکلیف دی جاتی تھی، لیکن وہ عزیمت کی ناقابل تسخیر چٹان دکھائی دیتے تھے اسلام اُن کے رگ و ریشے میں سرایت کر چکا تھا۔ اور اس کی خاطر خاک و خون میں تڑپنا اپنے لئے باعث سعادت سمجھتے تھے۔ غور کیجئے، اُن کا خدا سے تعلق کس قدر تھا۔ تعلق ہی نہ ہو تو انسان کیوں کر ایسے جذبات و احساسات سے روشناس ہو سکتا ہے، بلکہ مایوسی و ناکامی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ایسے ہی نیک انسانوں کے بارے میں قرآن مجید میں فرمایا گیا اَلَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِهِمْ۔ (سورہ آل عمران پارہ ۴ آیت ۱۹۱)

ترجمہ:- وہ لوگ اللہ کی یاد کرتے ہیں، کھڑے بھی، بیٹھے بھی، اور لیٹے بھی۔

ظاہر ہے اللہ کے نیک بندے وہی ہیں جو ہمیشہ اللہ کی یاد اور اس کی محبت کے دریا میں ڈوبے رہتے ہیں اور ان کے دل میں خدا کی یاد سرایت کر چکی ہے۔ ہر حالت میں ان کی نظر اسباب کی بجائے خدا ہی کی طرف مذکور رہتی ہے۔ اور وہ ہمیشہ اسی کی حمد و ثنا کرتے ہیں۔ مومن کے خدا سے تعلق کا اس کے یاد کرنے سے پتہ چلتا ہے۔ اور بے شک ایسے ہی لوگ جو رب سے تعلق قائم کئے ہوئے ہیں، کامیاب و کامران ہونگے۔

عشق کی فطرت ازل سے مشکل پسند واقع ہوئی ہے۔ عشق پر بہار ہی اس وقت ہوتی ہے، جب وہ دامن دریدہ ہو، آبلہ پا ہو۔ زخم کھا کر وہ پسپائی اختیار نہیں کرتا۔ ہر ٹیس اُسے نئی لذتوں اور سرشاریوں سے روشناس کر دیتی ہے۔ صحابہ کرام رضا کے دل چوں کہ عشق و مستی کی آگ میں جل چکے تھے، اس لئے وہ دوسروں کو متاثر کئے بغیر نہ رہتے تھے۔ کٹھن سے کٹھن مراحل بھی ان کی راہ میں آئے، لیکن گھٹنے ٹیک دیئے۔ انہیں تو حق کی اس نازک گھاٹی میں زخم کھانے میں ہی بے پناہ لذت آتی تھی، اور وہ اس بات سے بخوبی واقف تھے، کہ سچائی کا اعلان کرنا موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے بغیر بھی ممکن نہیں ہوا، یہی باعث ہے۔ کہ وہ خدا کی رضا کی خاطر خاک و خون میں تڑپنا ہی زندگی کا حقیقی مقصد سمجھتے تھے۔ اُن کے دل میں چوں کہ اللہ کی محبت موجزن تھی، اس لئے ہر مصیبت اور مشکل کا خیر مقدم کرتے تھے، بلکہ وہاں تو مصیبت بھی رحمت میں ڈھل چکی تھی۔ ان کے دل میں محبوب حقیقی کی محبت جاگزیں تھی، اس لئے وہ عشق و مستی کی آگ میں راکھ نہیں بنے، بلکہ کندن بن کر نکلے اور ایسے ہی دلوں سے ابھرتی ہوئی نور و ہدایت کی روشنی، گمراہی کی ظلمت و تاریکی میں بھٹکتے انسانوں کے لئے مشعل راہ ہے۔

لگن اور محبت کی پکار ظاہری آداب و رسوم کی پابند نہیں ہوتی۔ دل کی زبان دل سمجھتا ہے، اور قلبی کیفیات کے اظہار و بیان کے لئے فصیح و بلیغ الفاظ کی ضرورت بھی نہیں ہوتی۔ جذبات کے سمندر سے اٹھنے والی ایک موج وہ طلاطم پیدا کر دیتی ہے، جو کھوکھلے الفاظ سے پیدا نہیں ہو سکتی۔ بچہ کتنی زبانیں جانتا ہے، لیکن اس کی پکار اس کی ماں کو اس قدر بیتاب کر دیتی ہے کہ سینے میں اس کا دل دھڑکنے لگتا ہے، اور وہ آغوش رحمت کھولنے پر مجبور ہو جاتی ہے۔ رحمت کی آغوش دلیلوں سے نہیں کھلتی۔ اسے تو محبت کی پکار ہی کھولتی ہے۔ جو دروازے ہمیشہ کے لئے بند ہوتے ہیں، اور انہیں کھولنے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی، انہیں محبت کے چند آنسو کھول دیتے ہیں۔ بھکاری بن کر آتی ہے تو محروم نہیں رہتی۔ اسی طرح لگن کے باعث بندے کی آواز میں جب سوز پیدا ہوتا ہے اور اس کی صدا دردناک بن جاتی ہے تو خدا کی رحمت بڑھ کر اسے آغوش میں لے لیتی ہے اور اس کیلئے پردہ پوش بن جاتی ہے۔ پردہ پوشی خدا کی رحمت کا خاصا ہے بشرطیکہ بندہ خود کو اس کا اہل ثابت کرنے کی صلاحیتوں سے محروم نہ ہو۔

آیئے! بارگاہ صمدیت میں سربسجود ہوں کہ خدا تعالٰے ہمارے گمراہی کی ظلمت و تاریکی میں گھرے دلوں کو اپنی یاد سے منور کر دے۔ اپنی یاد میں لذت اور کیف و سرور فرمائے۔ اللہ تعالٰے ضعیف دلوں کو دولت ایمان سے سرشار کر دے، اپنی محبت اور اپنے لئے اپنے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و اطاعت عطا فرمائے۔ اسلام سے تعلق اور لگن پیدا کر دے۔ اللہ تعالٰے سے ہمارا تعلق ٹھیک ہو جائے۔ تو یہی کامیابی و کامرانی ہے، اور تعلق اور لگن ہی خدا کی یاد کے لئے سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔

بقیہ:- احادیث الرسولؐ

کا ذکر کیا تو حضور نے ارشاد فرمایا، کہ ایسا مت کرو کیوں کہ تم لوگوں میں سے کسی کا اللہ تعالٰے کے راستہ میں ٹھہرنا، اس کے اپنے گھر میں ستر سال نماز پڑھنے سے زیادہ فضیلت والا ہے، کیا تم یہ بات پسند نہیں کرتے، کہ اللہ تعالٰے تم کو بخش دے اور تم کو جنت میں داخل کر دے (اگر یہ چاہتے ہو) تو اللہ تعالٰے کے راستہ میں جہاد کرو، جس نے اُونٹنی کے دو دفعہ دُودھ دوہنے کے درمیانی وقت کے برابر بھی اللہ تعالٰے کے راہ میں جہاد کیا اس کے لئے جنت واجب ہو گئی ترمذی نے اس حدیث کو ذکر کیا، اور کہا حدیث حسن ہے۔

تبلیغی جلسہ

مدرسہ حنفیہ احیاء العلوم بوہٹر تحصیل تونسہ ضلع ڈیرہ غازی خاں کا ایک روزہ تبلیغی جلسہ مورخہ ۱۳ نومبر ۱۹۶۶ء مطابق ۹ رجب المرجب ۱۳۸۶ھ بروز اتوار بعد از نماز عشاء منعقد زیر صدارت حضرت مولانا قاضی حامد صاحب۔ (جانشین حضرت مولانا قاضی محمد موسیٰ صاحب مرحوم) جس میں حضرت مولانا عبدالشکور صاحب دین پوری اور خطیب بوہٹر حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب بھی تقریر فرمائیں گے۔

اسلام اور کمیونزم

صاحبزادہ حمید اللہ ایم۔ اے

تحریک اشتراکیت یا اشتمالیت جسے انگریزی میں کمیونزم اور سوشلزم کہتے ہیں پہلی جنگ عظیم کے دوران یعنی ۱۹۱۷ء میں بیلائے کامیابی سے ہمکنار ہوئی۔ زار روس کی جابر و شاطر اور ظالم و مستبد حکومت کو روس میں نیست و نابود کرکے اشتراکیت پسندوں نے روس میں پہلی بار اشتراکی طرز حکومت کی بنیاد ڈالی۔ جس طرح کہ قارئین بخوبی اس امر سے آگاہ ہیں اشتراکیت کے دو پہلو زیادہ واضح اور ظاہر ہیں ایک اقتصادی پہلو اور دوسرا مذہبی پہلو اقتصادی لحاظ سے اشتراکیت کسی ملک کی تمام املاک۔ مزروعہ و غیر مزروعہ زمینوں۔ کارخانہ جات، بینکوں وغیرہ کو اپنی تحویل اور اپنی ملک میں لینے کی حامی ہے۔ ہر امن وطن اور ملک کا ہر فرد حکومت کی مشینری کا ایک کل پرزہ تصور کیا جاتا ہے، اس سے یہ توقع رکھی جاتی ہے کہ وہ حسب استعداد محنت اور کام کرے۔ جس کی اس کو حکومت کی طرف سے اجرت دی جاتی ہے۔ گویا اس طریق سے ایک ملک کی ترقی میں تمام افراد حصہ لیتے ہیں یا بہ الفاظ دیگر اشتراکیت پسند اشتراکیت کو افلاس و غربت اور ناداری و بے روزگاری کا مکمل علاج تصور کرتے ہیں۔

اشتراکیت کا دوسرا پہلو جو نمایاں ہے اس کا مذہبی پہلو ہے۔ اشتراکیت کے پیرو نعوذ باللہ خدا تعالیٰ کے وجود کے قائل نہیں ہیں۔ وہ مادہ ہی کو کائنات کی اصل مانتے ہیں۔ اس کے علاوہ کسی بھی مذہب کی پیروی نہیں کرتے ان کا خیال ہے کہ مذہب سائنس کی ترقی اور دوسری دنیوی ترقیات کے راستے میں مانع و حائل ہے۔ اشتراکیت کا جو پہلو کوتاہ بین اور اپنے مذہب سے بیگانہ اور ناواقف مسلمانوں کے لئے باعث کشش ہے۔ وہ اس کا اقتصادی پہلو ہے۔ ان کے قلوب و اذہان میں یہ خیال جاگزیں ہو گیا ہے کہ روس اور دیگر اشتراکی ممالک میں غربت و افلاس کا نام و نشان نہیں اور وہاں کوئی فرد غریب نہیں ہے۔ بلکہ تمام افراد وطن اچھے کھاتے پیتے فارغ البال آسودہ حال اور خوش پوش ہیں۔ مگر یہ خیال غلط اور بے بنیاد ہے۔ کیونکہ روس اور دوسرے اشتراکی ممالک میں ایسے لوگ بہت زیادہ تعداد میں پائے جاتے ہیں جنہیں بمشکل دو وقت کا کھانا میسر آتا ہے اور ان کا لباس بھی بس معمولی سا ہوتا ہے اور یہ ان کو تمام دن کی سخت محنت اور شدید مشقت کرنے کے بعد میسر آتا ہے اگر وہ سارا سارا دن کارخانے میں یا زراعتی فارم میں کام نہ کریں تو اتنا کچھ بھی انہیں میسر نہ آئے۔ علاوہ بریں روس میں اور دیگر اشتراکی ممالک میں بھی ویسے ہی مختلف معاشیاتی اور معاشرتی طبقات موجود ہیں جس طرح غیر اشتراکی ممالک میں وہاں لوگوں کو ان کے کام کے مطابق حکومت کی طرف سے معاوضہ دیا جاتا ہے۔ وہاں بعض خاندانوں کو معمولی دال روٹی میسر آ جاتی ہے اور بعض خاندان قورمہ پلاؤ سے شکم سیر ہوتے اور مختلف ماکولات و مشروبات سے لذت کام و دہن کا کام لیتے ہیں۔ لہٰذا اس بات میں کوئی حقیقت نہیں ہے کہ اشتراکی ممالک زمین کے اوپر جنت ہیں اور وہاں کے باشندے کھانے پینے اور پہننے کی فکر سے بے فکر ہیں۔

اشتراکی مساوات کا بھی بہت ڈھنڈورا پیٹا جاتا ہے۔ مگر کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ سٹالن، خروشیف اور آجکل کوسیجن کی خوراک و پوشاک، طرز بود و باش، جائے رہائش آرام و آسائش اور تفریح بھی ویسی ہی ہے جیسی کہ ایک عام روسی کی ہے۔ نہیں ہرگز نہیں۔ کیا ماؤزے تنگ اور چواین لائی بھی بالکل اسی طرح کھاتے پیتے رہتے سہتے اور پہنتے ہیں جس طرح ایک عام چینی اس کا جواب بھی نفی میں ہے۔ کیا یوگوسلاویہ کے مارشل ٹیٹو شاہانہ زندگی بسر نہیں کرتے کیا اشتراکی ممالک کے سربراہ اور صدور محل نما مکانات میں نہیں رہتے۔ کیا ان کی خوراک اور پوشاک ان کے ملک کے ایک ادنیٰ آدمی کی خوراک اور پوشاک کے برابر ہوتی ہیں ایسا تو کبھی نہیں ہے۔ مساوات تو اسلام کی ہے۔ مسلمانوں کے امیرالمومنین حضرت عمر رضہ پیوند لگے ہوئے کپڑے پہنتے تھے اور نیچے اپنا درہ رکھ کر مٹی پر سو جاتے تھے۔ جو کی روٹی کھاتے تھے اور کوئی محافظ یا باڈی گارڈ ان کے ساتھ نہیں ہوتا تھا۔ کیا مساوات کا اس سے بہتر نمونہ کوئی اور قوم دکھا سکتی ہے۔

اکثر نافہم اور اسلام سے ناواقف مسلمان کمیونزم اور اسلام کا اقتصادی لحاظ سے موازنہ اور مقابلہ کرکے کمیونزم کو ترجیح دینے لگتے ہیں مگر کہاں اسلام جیسا مقدس مذہب اور زندگی کا مکمل ترین لائحہ عمل اور کہاں کمیونزم جیسا ظالمانہ نظام حکومت اور جابرانہ نظام حیات ؎

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

اسلام دین اور عقبیٰ دونوں کی فلاح و بہبودی کے لئے کافی و وافی ہے یہ ایک مکمل ترین نظام زندگی ہے۔ اور زندگی کے ہر ہر پہلو پر خواہ وہ بڑا ہو یا چھوٹا، پوری طرح سے حاوی ہے۔ یہ خدائی قانون ہے اس لئے اس میں کوئی خامی اور کوئی کجی نہیں ہے۔ اس کے برعکس کمیونزم ایک ناقص انسانی نظام حکومت ہے اور نظریۂ حیات ہے۔ مگر صد حیف ہے اور ہزار افسوس ہے ان مسلمانوں پر جو کہ اس کی تمام تر خامیوں اور نقائص کے باوجود نہ صرف اسلام کے مقابلے میں لاتے ہیں بلکہ اسلام کے مقابلے میں اس کی اچھائی اور بہتری کا فیصلہ بھی صادر کر دیتے ہیں۔

؎ بریں عقل و دانش بباید گریست

اسلام کا اقتصادی نظام اشتراکیت کے اقتصادی نظام سے بدرجہا بہتر اور ہمدردی سے پُر اور مملو ہے۔ یہ عقل اور عدل و انصاف کے عین مطابق ہے۔ اسلام میں صاحب نصاب مسلمان پر زکوٰۃ کی ادائیگی فرض ہوتی ہے نیز زمین کی پیداوار

اور تجارت کے مویشیوں پر اور دوسرے مویشیوں پر جو گھریلو استعمال سے زائد ہوں زکوٰۃ دینی پڑتی ہے (مویشیوں کے لئے بھی الگ الگ نصاب مقرر ہے۔)

علاوہ ازیں اسلام نے خیرات پر بھی زور دیا ہے اور غریب کی امداد اور دستگیری پر بہت ثواب مرتب کیا ہے۔ چنانچہ زکوٰۃ اور خیرات کے طور پر متمول اور مرفہ الحال مسلمان جو رقم دیتے ہیں وہ اتنی ہو جاتی ہے کہ غرباء کی ضرورت پوری ہونے کے بعد بھی بچ جاتی ہے۔

ذرا مسلمانوں کی گذشتہ تاریخ کی طرف نگاہ دوڑائیے اور ان کی اقتصادی حالت کا خیال کیجئے۔ حضرت عمر فاروق رضؓ کے عہد خلافت میں مسلمان اقتصادی اور مالی لحاظ سے اس قدر خوشحال اور آسودہ حال تھے۔ کہ لوگ مدینہ شریف میں زکوٰۃ کی رقوم لے کر گھر سے نکلتے تھے۔ اور پکارتے تھے کہ کوئی ہے جس کو یہ زکوٰۃ کی رقم دی جائے۔ مگر کوئی شخص زکوٰۃ لینے والا ہی نہ ملتا تھا حضرت عمرؒ بن عبدالعزیزؒ کے حسن انتظام سے دو ہی سال میں مسلمانوں کی مالی حالت ایسی بہتر ہوئی کہ کوئی غریب ہی نہیں رہا۔ اس کی وجہ کیا تھی؟ اس کی وجہ بجز اس کے کوئی نہ تھی کہ اس وقت مسلمان پوری طرح سے اسلام پر عمل پیرا تھے دیکھیئے کتنی خوشحالی تھی۔ اس زمانے میں امیر اپنی جگہ تھے اور غریب اپنی جگہ تھے۔ مگر اس کے باوجود خود سب خوشحال تھے۔ یہ نہ تھا۔ کہ کمیونسٹوں کی طرح امیروں کی املاک اور جائیدادیں بزور چھین کر غریبوں کو دیدیں یا یہ کہ حکومت نے ان پر قبضہ کر لیا۔ اسلام کمیونزم کی طرح غاصب نہیں ہے کہ لوگوں کی املاک کو زبردستی غصب کرے یہ لوٹ مار ڈاکہ زنی کمیونزم کا خاصہ ہے۔ جس سے ہمارے کم بین مسلمان بھائی اس قدر مرعوب ہیں۔ اگر کسی ملک میں شریعت اسلامیہ کے مطابق حکومت قائم ہو۔ تو وہاں زکوٰۃ کی رقوم تو اسلامی حکومت وصول کرے گی اور جب حکومت پابند شریعت ہوگی تو بمصداق حدیث اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِھِمْ۔ عوام بھی اسلام پر پوری طرح سے عمل پیرا ہوں گے۔ اور بطور خیرات بھی اپنے مال میں سے کچھ دینگے

اس طرح سے غربت کا ازالہ ہوتا رہے گا اور معاشرہ خوشحال ہو جائے گا۔

یہاں ایک بات کی تصریح و توضیح ضروری ہے وہ یہ کہ اسلام میں مطلق دولت و امیری یعنی بالفاظ دیگر سرمایہ داری اور سرمایہ کاری ممنوع نہیں ہے شرعی نقطۂ نگاہ سے وہ مال مستحسن ہے جو جائز طریقے سے کمایا جائے۔ اور جائز طریقے سے خرچ کیا جائے اور جو مال ناجائز طور پر یعنی غیر شرعی طریقے سے کمایا اور خرچ کیا جائے وہ مذموم ہے بعض لوگ اسلام سے ناواقفیت اور عدم آگاہی کے سبب سے اسلام اور مال و دولت کو ایک دوسرے کے متضاد قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام کے ساتھ "غنی" کا لفظ استعمال نہ ہوتا جس کے معنی امیر اور مالدار کے ہیں۔ ہاں موجودہ نظام سرمایہ داری جو کہ تقریباً تمام تر غیر شرعی استحصال زر کے مترادف ہے۔ اسلام میں ناجائز ہے۔

اسلام انصاف اور ہمدردی کا مذہب ہے۔ وہ تاجر کو ملاوٹ کرنے اور اشیاء کی قیمت خرید کے برابر منافع کمانے اور بازار کے نرخ سے نرخ بڑھانے سے روکتا ہے۔ وہ زمیندار کو کسان کا حق مارنے سے روکتا اور کارخانہ دار کو مزدور کی مزدوری اس کا پسینہ گرنے سے پہلے دینے کا حکم دیتا ہے۔ وہ حکومت کو غیر شرعی ٹیکس لگانے سے منع کرتا ہے کسی مسلمان کا یہ اعتراض بھی درست قرار نہیں دیا جا سکتا کہ اسلامی حکومت موجودہ زمانے میں اور بدلے ہوتے حالات میں قائم نہیں ہو سکتی۔ ذرا سعودی عرب کی طرف دیکھیئے۔ وہاں اسلامی اصولوں کے مطابق نظام حکومت قائم ہے۔ یہ اسلامی حکومت کے قیام کا اثر ہے کہ سعودی عرب میں چوری چکاری اور زنا و عصمت فروشی کی وارداتیں بہت کم بلکہ نہ ہونے کے برابر ہیں۔ وہاں دکاندار آذان کی آواز سنتے ہی اپنی دکانیں کھلی چھوڑ کر مسجد کی طرف دوڑتے ہیں تاکہ نماز باجماعت ادا کریں۔ وہاں اگر کسی کی کوئی چیز گر جاتی تو کیا مجال کہ کوئی اس کی طرف اٹھا کر دیکھ سکے یا اگر اٹھاتے تو مجال ہے کہ اسے اپنے صرف اور استعمال میں لا سکے وہ فوراً ایسی چیز کی اطلاع پولیس کو دے گا جو اسے اپنے مالک کو لوٹا دیتی ہے۔ وہاں مقدمات کے فیصلے شریعت کے مطابق ہوتے ہیں جس میں نہ تضیع اوقات ہوتا ہے اور نہ تضیع مال اور نہ ہی مدعی اور مدعا علیہ کو کوئی تکلیف یا دقت پیش آتی ہے۔ وہاں منٹوں اور.... گھنٹوں میں مقدمات کے فیصلے ہو جاتے ہیں۔ اس کے برعکس دوسرے ممالک میں جہاں مقدمات کے فیصلے انسانوں کے اپنے بنائے ہوئے قوانین کے مطابق ہوتے ہیں یہ حالت ہے کہ مہینے اور سال گذر جاتے ہیں مگر ایک مقدمہ چلتا رہتا ہے۔ جس میں ظاہر ہے کہ کتنا روپیہ ضائع ہوتا ہوگا اور جانبین کو کتنی پریشانیاں اور کتنی مصیبتیں اٹھانی پڑتی ہوں گی۔

جب تک اسلام جیسا کامل و اکمل خدائی قانون موجود ہے اس کے سامنے کمیونزم یا کسی دوسرے انسانی قانون اور نظام حیات کی کوئی حیثیت ہی نہیں ہو سکتی۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ کمیونزم ہمارے لئے اس کے باعث کشش ہے کہ اس میں ترقی کے مواقع میسّر آتے ہیں یہ بڑے بڑے کارخانوں اور مشینوں کے قیام کا حامی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اسلام نے ہمیں غیر ضروری دینوی ترقیات میں پڑنے سے منع کیا ہے۔ اسلام ہمیں صرف اتنی ترقی کی اجازت دیتا ہے کہ ہم صنعت اور زراعت میں خود کفیل ہوں۔ ہمارے ملک کا دفاع کا مضبوط ہو ہم کسی کے محتاج نہ ہوں مسلمان کی زندگی کا اصل مقصد طاعت الٰہی ہے۔ جیسا کہ خدا تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے۔ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ۔ "میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں،" مسلمان کے لئے اصل چیز دین ہے۔ دنیا صرف دین کا ایک وسیلہ ہے مسلمان صرف بقدر ضرورت دینوی کاروبار میں حصہ لے سکتا ہے اس سے زیادہ نہیں قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اَلدُّنْیَا مَزْرَعَۃُ الْاٰخِرَۃِ "دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔"

مسلمان کا یہ شعار نہیں ہے۔ کہ وہ دینوی کاروبار میں اس قدر محو اور مستغرق ہو جائے کہ دین کو بھول جائے یا دین کا

(باقی بر ص ۱۳ پر)

مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی صاحب کا واہ کینٹ میں

درسِ قرآن

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اے ایمان والو! جو تم میری بات کو ماننے کا دعوےٰ کر رہے ہو۔ لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰہِ تم نہ حلال سمجھو اللہ کی نشانیوں کو حلال سمجھنے کا معنےٰ کیا ہے؟ تم بے ادبی نہ کرو اللہ کی نشانیوں کی تم توہین نہ کرو اللہ کی نشانیوں کی تم یہ مت کہو یہ قرآن کاغذوں پہ لکھا ہوا ہے یا قرآن مجید پریس میں چھپ کر آیا ہے۔ جسطرح اور کتابیں چھپتی ہیں اس لئے اس قرآن مجید میں اور دوسری کتابوں میں کوئی فرق نہیں ہونا چاہیئے حالانکہ یہ بات غلط ہے۔ اس پر جو لکھا ہوا ہے وہ میرا کلام ہے۔ یہ میرے کلام سے مشرف ہو چکا ہے۔ اب تم اس کو بے وضو ہاتھ بھی نہیں لگا سکتے۔ تم یہ مت کہو محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم محمد بن عبداللہ تھے۔ اور وہ بھی دنیا کے اور لیڈروں کی طرح ایک لیڈر تھے۔ ہماری قوم میں یہ بھی ایک بہت بڑا حادثہ ہے۔ میرے بزرگو! (اللہ تعالےٰ مجھے اور آپ سب کو سمجھ نصیب فرماتے) ہمارے ہاں جو بعض کتابیں چھپتی ہیں ان میں (میں تو نہیں کہہ سکتا کہ عمداً مسلمان ایسا کرتا ہو کیونکہ مسلمان عمداً کبھی گستاخی کا مرتکب نہیں ہو سکتا لیکن نافہمی کی وجہ سے کوشش یہ کی جاتی ہے کہ امام الانبیاء جناب محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو ایک لیڈر بتایا جاتے) اس لئے میں نے بعض کتابیں دیکھی ہیں۔ جو ہمارے نصابوں میں بچے اب پڑھتے ہیں سکولوں میں اسی کتاب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر ہے۔ اس کی کتاب میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا ذکر ہے۔ اور اسی کتاب میں گوتم بدھ اور رام چندر کا ذکر ہے۔ اب بھی چھپی ہوئی کتابیں موجود ہیں تو یہ کیا عجیب قصہ ہے؟ کیا رام چندر کا وہ مقام ہے جو محمد رسول اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ کیا گوتم بدھ کا وہ مقام ہے جو حضرت شعیبؑ کا ہے یا حضرت ابراہیمؑ کا ہے؟ کیا ہم بچوں کو یہ تصور دینا چاہتے ہیں کہ یہ سارے کے سارے مصلح تھے؟ غلط بات ہے۔ ہمیں اپنی کتابوں کو ان چیزوں سے پاک کرنا چاہیئے۔ بے شک بھارت کی تاریخ پڑھائیں گوتم بدھ کی تاریخ پڑھائیں۔ ان کے کارنامے بتائیں۔ ان کی زندگی کے حالات اپنے بچوں کو پڑھائیں۔ تاریخ ایک فن ہے۔ لیکن خدا کے لئے ان کو محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تو نہ ملائیں۔ اسی کتاب میں بچہ پڑھتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے نبی تھے۔ اور اسی کتاب میں تھوڑی دیر کے بعد پڑھتا ہے۔ کہ گوتم بدھ بھی ایک مصلح تھا تھوڑی دیر کے بعد پڑھتا ہے کہ رام چندر بھی ایک بہت بڑا مصلح تھا۔ تو چھوٹا بچہ کا ذہن صاف ہے۔ اس کے ذہن میں یہ بات آ سکتی ہے کہ واقعی یہ سارے کے سارے مصلح تھے اور یہ ایک ہی لڑی میں پروتے ہوئے ہیں ہیں (نعوذ باللہ من ذالک) کہاں امام الانبیاء جناب محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور کہاں رام چندر اور گوتم بدھ اس لئے قرآن مجید نے جو فرمایا کہ اللہ کے شعائر کی تعظیم کرو۔ تم یہ مت کہو کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے نبی تھے فقط، تم یہ مت کہو کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول تھے فقط تعظیم کرو۔ شعائر اللہ کی، ادب کرو شعائر اللہ کا، احترام کرو۔ شعائر اللہ کا۔ تاکہ تمہارے دل میں تقوےٰ پیدا ہو۔

اب صحابہ نے کس طرح تعظیم کی؟ صحابہ کی تو شان ہی بلند ہے۔ ایک دفعہ قیصر نے اپنے جاسوس بھیجے، کہ جا کر دیکھ کہ یہ جو آدمی دعوےٰ کر رہا ہے نبوت کا، کبھی ایک علاقہ فتح ہو رہا ہے کبھی دوسرا علاقہ فتح ہو رہا ہے یہ کیا ہے اس کے پاس کون سی طاقت ہے؟ وہ آئے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس رہے چند دن تک ٹھہرے اور جا کر قیصر کے پاس...... جو اپنے بیانات دیئے۔ تاریخوں اور سیرت کی کتابوں میں موجود ہیں انہوں نے کہا قیصر! ہم بڑے بڑے بادشاہوں کے درباروں میں گئے۔ مگر نہ پوچھ اس کی کیفیت (صلے اللہ علیہ وسلم) ارے کیا کیفیت؟ کہنے لگے جب وہ وضو کرنے کے لئے بیٹھتا ہے (صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم) تو صحابہ کرام اس پر جھک جاتے ہیں اور جو وضو کا پانی اس (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بدن سے گرتا ہے، زمین پر نہیں گرنے دیتے، وہ پانی لے کر اپنے چہروں پر مل لیتے ہیں۔ لڑتے ہیں اس بات پہ، اگر وہ (صلی اللہ علیہ وسلم) تھوکتا ہے تو تھوک زمین پر نہیں گرنے دیتے اگر وہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ناخن کاٹتا ہے تو ناخن زمین پر نہیں گرنے دیتے"

اور عبداللہ ابن زبیر کے متعلق تو مشہور ہے (حدیثوں میں ہے تاریخوں میں ہے،) عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے بڑے پیارے صحابی تھے۔ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ پچھنے لگوائے، اپنے بدن اطہر سے خون نکلوایا۔ اور وہ مٹی کے ایک برتن میں ڈال کر عبداللہ ابنؓ زبیر کو دیا کہ جا کر اس کو دفن کر کے آ کیونکہ انسان کے سارے اعضاء قابل احترام ہیں۔

کیا کریں بھائی آپ مجھ سے ناراض ہو جائیں گے۔ آج ہماری ڈاڑھیوں کے سفید بال پیشاب کی نالیوں میں رُلتے ہیں۔ یہ سُنّت ہے جناب محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی اور سُنّت کے ساتھ ہم کیا کرتے ہیں۔ رگڑا دیتے ہیں جیساکہ گنڈیری کو چھیلا جاتا ہے۔ اور پھر یہ نالی میں ڈال دیتے ہیں۔ اوپر سے پیشاب گزر جاتا ہے۔ انسان کے سارے اعضاء واجب الاحترام ہیں اگر غلطی سے یہ کام ہم کرتے ہیں۔ (اللہ ہماری غلطیوں کو معاف فرماتے۔)

تو میرے دوستو! ان بالوں کو دفن کر دیا کرو ؛ حجامت کے بالوں کو دفن کر دیا کرو ۔ ناخنوں کو دفن کر دیا کرو ۔ قیامت کے دن یہ سارے کے سارے اٹھیں گے ۔ اور اللہ تعالےٰ کے حضور شہادت دیں گے ۔ انسان کا سارا بدن واجب التعظیم ہے ۔ تبھی تو انسان کو دفن کرتے ہیں حجامت کے بالوں کو دفن کیجئے ، ناخنوں کو دفن کیجئے ، بدن سے خون نکلے اس کو دفن کیجئے تاکہ احترام کے ساتھ پڑا رہے ۔

تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جا عبداللہ ابنؓ زبیر! میرے خون کو دفن کر آ ۔ وہ لے کر گئے ۔ جب دفن کرنے کیلئے گئے ۔ تو عبداللہ ابن زبیر فرماتے ہیں کہ میں نے سوچا ۔ کہ اے عبداللہ ، یہ خون کس کے بدن سے نکلا ؟ امام الانبیاء صلے اللہ علیہ وسلم کے بدن سے نکلا ۔ اسے مٹی میں ڈال دوں حکم تو ہے ۔ کبھی کبھی عشق اور عقل کا مقابلہ آجاتا ہے ؎

اچھا ہے دل کے پاس رہے پاسبان عقل
لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے

عقل کبھی کبھی عشق پر غالب آ جاتی ہے ۔ اور کبھی عشق عقل پر غالب آ جاتا ہے ۔ (اللہ تعالےٰ مجھے اور آپ کو بھی صحیح سمجھ نصیب فرمائے) تو اب دو باتیں تھیں ۔ ایک طرف عقل ہے ۔ ایک طرف عشق ہے ۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا صلح حدیبیہ میں کہ اے علیؓ لفظ " محمد رسول اللہ " کو مٹا دو اور لکھ دے " محمدؐ ابن عبداللہ " اگر یہ نہیں مانتے ابوجہل وغیرہ تو میں خدا کا رسول ویسے بھی ہوں جھگڑا ختم ہو جائے " اصلح حدیبیہ میں ایک یہ بھی شرط تھی کہ آپ اپنا نام مٹائیں اور لکھیں محمد ابن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) حضرت علیؓ نے عرض کی کہ " اللہ کے نبیؐ ! جان دینے کے لئے تیار ہوں لیکن علیؓ یہ نہیں کر سکتا ۔ کہ اپنے ہاتھ سے لفظ محمد رسول اللہ کو مٹا دے میں نہیں لکھتا " حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے دست مبارک سے مٹا کر لکھا محمد ابن عبداللہ تو کیا علیؓ نے نافرمانی کی ۔ علیؓ پر عشق غالب تھا جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ۔ اس لئے بات کو نہیں مانا ۔ یہاں بھی عبداللہ ابن زبیر کشمکش میں پڑ گئے ۔ ایک طرف عشق ہے ایک طرف حکم جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کا ۔ اگر میں مٹی میں دفن کرتا ہوں ۔ حکم پورا ہوتا ہے ۔ لیکن میرے ہاتھ ہوں ۔ اور امام الانبیاء کا یہ خون مقدس ہو ۔ اور اسے میں زمین میں دفن کر دوں ؟ کشمکش رہی !

تھوڑی دیر بعد فیصلہ کیا (عشق کامل تھا) حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا خون پی گئے صحیح بات ہے ۔ کسی عاشق عالم سے پوچھیے ۔ مجھ جیسے سے نہ پوچھیے ۔ آپ کا خون پی گئے پیالہ صاف کر دیا ۔ واپس تشریف لائے ۔ حاضر خدمت ہوئے ۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم پوچھتے ہیں ۔ مَا فَعَلْتَ بِدَمِیْ " او ابن زبیر میرا خون کیا کیا ؟ خاموش ۔ جواب نہیں دیتے ۔ کہتا ہوں پی گیا ناراض ہوں گے ۔ کہتا ہوں دفن کیا جھوٹ بنتا ہے ۔ مَا فَعَلْتَ بِدَمِیْ " میرے خون کے ساتھ کیا بنایا ؟ عرض کرتے ہیں شَرِبْتُہٗ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْکَ وَسَلَّمْ اللہ کے نبی ہیں ۔ تو پی گیا "

تو میرے دوستو ! یہ تعظیم تھی ۔ شعائر اللہ کی ۔ ہم اس کو کسی قسم کی غلط فہمی پر محمول نہیں کر سکتے اسی طرح تعظیم کتاب اللہ تعظیم بیت اللہ تعظیم ذکر اللہ اللہ کا نام آتے ہم اللہ کو یوں کہیں ۔ اللہ کہتا ہے ہمارے بڑے بڑے لکچرار جب تقریر کرتے ہیں تو یوں کہتے ہیں جیسے کسی کی کہاوت بیان کرتے ہیں اللہ کہتا ہے " محمد کہتا ہے " " قرآن میں آیا ہے " لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ ، " قرآن کو دیکھ لیجئے قرآن کیا کہتا ہے ۔ بَلْ ھُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِیْدٌ ۙ فِیْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ۝ اِنَّہٗ کِتَابٌ مُّبَارَکٌ ۔ اِنَّہٗ عِنْدَنَا فِیْ اُمِّ الْکِتَابِ لَدَیْنَا لَعَلِیٌّ حَکِیْمٌ ۝ اور حضور کے متعلق فرمایا ۔ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ؕ فرمایا وَتُوَقِّرُوْہُ (الفتح) فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کرو ، حضورؐ کی توقیر کرو ۔ اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ؕ اس حد تک حکم فرمایا اور اپنے نام کے متعلق حکم فرمایا ۔ تَبَارَکَ اسْمُ رَبِّکَ ذُو الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ ؕ تیرے رب کا نام بڑی برکت والا ہے اس لئے علمائے کرام نے آداب بیان کئے ۔ میرے دوستو اور بزرگو! فرمایا جب اللہ کا نام لو ۔ تو " ساتھ تعالےٰ " کہو اللّٰہُ تَعَالٰی یا جَلَّ جَلَالُہٗ "

کہو ۔ اللہ کا نام جب لو تو ساتھ یا تو جَلَّ جَلَالُہٗ کہو یا تعالیٰ کہو یہ ادب ہے اور لازم ہے ۔ کسی نبی کا نام لو تو " علیہ السلام " کہو قرآن میں آتا ہے ۔ سَلٰمٌ عَلٰی نُوْحٍ فِی الْعٰلَمِیْنَ ۝ سَلٰمٌ عَلٰی مُوْسٰی وَ ھٰرُوْنَ ۝ تو کسی نبی کا جب تم نام لو ۔ تو کیا کہو ؟ " علیہ السلام " " موسیٰ علیہ السلام " " عیسیٰ علیہ السلام " " داؤد علیہ السلام " " زکریا علیہ السلام " ۔ اور جب امام الانبیاء کا نام لو تو پھر فقط سلام نہ کہو ۔ بلکہ کہو " صلے اللہ علیہ وسلم " مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کے ساتھ صلوٰۃ بھی کہو ۔ سلام بھی کہو ۔ دونوں باتیں خدا کا حکم ہے ۔ صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ؕ ۝ (باقی باقی)

دُعائے صحت

میرے والد صاحب مرزا عنایت اللہ عرصہ بیس یوم سے بیمار ہیں ۔ ان پر یکے بعد دیگرے تین دفعہ درد گردہ کا سخت حملہ ہوا ہے ساتھ ہی شدت کا بخار رہا ۔ ان کی صحت بہت ہی کمزور ہو گئی ہے ۔

لہٰذا تمام علماء کرام وجملہ احباب کی خدمت التماس ہے کہ میرے والد صاحب کے لئے خصوصی اوقات میں خاص کر دعا فرمائیں کہ اللہ تعالےٰ ان کو شفا کاملہ وصحت عاجلہ عطا فرمائے ۔

نیاز مند مرزا امان اللہ نئی آبادی جہلم شہر

اطمینانِ قلب صرف اللہ کی یاد میں ہے

محمد افتخار احمد

آج کے مادی دور میں ہر انسان سکون کی تلاش میں سرگرداں ہے۔ کوئی موت کی ریل پیل اور لہر بہر میں اطمینانِ قلب ڈھونڈتا ہے تو کوئی چنگ ور باب اور ہاہو میں سکونِ دل تلاش کرتا ہے مگر ان چیزوں کے ہوتے بھی ہر انسان اپنے پہلو میں بے قراری اور بے چینی پاتا ہے۔ ایسا کیوں ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم حقیقت کو چھوڑ کر سراب کے پیچھے پیچھے چل رہے ہیں۔ جس کی چمک محض دھوکہ ہی دھوکہ ہے اسلام نے سکون دل اور راحتِ قلب کا جو تصوّر اور نظریہ پیش کیا ہے۔ وہ دوسرے مذاہب سے بالکل مختلف اور متضاد ہے۔ اسلام ہمیں بتاتا ہے۔ کہ حقیقی سکون اور راحت صرف خدا کی یاد سے حاصل ہو سکتا ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالےٰ ہے۔

اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ

ترجمہ:۔ خبردار اللہ کے ذکر ہی سے دلوں کو راحت اور تسکین میسّر ہوتی ہے۔

جو قومیں چنگ ور باب اور رقص و سرود کی محفلوں میں سکونِ دِل ڈھونڈتی ہیں۔ در اصل وہ دھوکے اور فریب میں مبتلا ہیں ان کے لبوں پر ناچنے والی مسکراہٹیں حقیقتاً مصنوعی اور عارضی ہوتی اگر ان کے دلوں میں جھانکا جائے۔ تو معلوم ہو گا کہ وہ کتنے اداس اور یاس انگیز لمحات گزار رہی ہیں۔

انسان دو چیزوں کا مرکب ہے۔ جسم اور روح۔ ان دونوں کی پرورش اور ترقی کے لیئے قدرت نے بالکل مختلف نوعیت کی غذائیں متعین کی ہیں جہاں تک جسم کی غذا کا تعلق ہے اس کے لئے ہم پوری پوری جد وجہد کرتے ہیں بلکہ دورِ حاضر میں ہماری کوششیں جسم کی تزئین اس کی ترویج اور اسکی صحت مندی تک محدود ہو کر رہ گئی ہیں۔ روح جس کی غذا روحانیت اور ذکر الٰہی ہے وہ ہماری زندگی میں مفقود نظر آتی ہے۔ جس طرح جسم کو غذا مہیا نہ کی جائے تو وہ سوکھتا چلا جاتا ہے اور آخر ایک دن روح اور جسم کا رشتہ ٹوٹ جاتا ہے۔ اسی طرح روح کی غذا میسّر نہ آنے کی صورت میں اس پر پژمردگی اور اداسی چھا جاتی ہے۔ اور جب روح مردہ ہو جائے تو کیف و نشاط کے سوتے کیسے پھوٹ سکتے ہیں۔؟ ماحول کی رنگینیاں اسے کیسے محظوظ کر سکتی ہیں؟ ہم روح کی خوشیوں اور مسرتوں کو زندہ رکھنے کے لئے مادیّت کا کا سہارا لیتے ہیں۔ لیکن مادی اشیاء جسم کی ترویج کے لئے ممدو معاون تو ثابت ہو سکتی ہیں روح کی خوشیوں کے لئے کوئی سامان مہیّا نہیں کر سکتیں۔ روح کی مسرّت اور خوشی خدا کی یاد میں پنہاں ہے جب انسان کا تعلق خدا سے بڑھتا چلا جاتا ہے تو اس کے شیشۂ دل پر جما ہوا غبار دھلتا چلا جاتا ہے اس کی روح کے چمنستان اور خیاباں میں چٹکتی ہوئی کلیوں اور کھلتے ہوئے پھولوں کا سماں پیدا ہو جاتا ہے۔ وہ دنیوی محبت سے منہ موڑ کر صرف خدا سے لو لگا لیتا ہے اور خدا کی معیّت حاصل کر لیتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

جو بندہ اللہ کو یاد کرتا ہے اس کے ساتھ اللہ ہوتا ہے جب تک بندہ اللہ کی یاد میں رہے گا تب تک بندہ کے ساتھ اللہ کی معیّت ہوتی ہے۔"

آیئے ہم ان باتوں سے کنارہ کش ہو جائیں۔ جو ہمیں ذکر الٰہی سے غافل کر دینا چاہتی ہیں۔ پھر دیکھیں ہماری زندگی کس قدر مطمئن اور پر سکون ہو جاتی ہے۔

بقیہ : اسلام اور کمیونزم

کام اس سے ادھورہ رہ جاتے۔ اس سلسلے میں ہمارے سامنے سب سے بہترین مثال سردار دو جہان حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی ہے۔ انہوں نے باوجود اس کے کہ اگر وہ چاہتے تو پہاڑ ان کے لئے سونا چاندی بن جاتے ہمیشہ فقرو فاقہ کی زندگی بسر کی جس پر انہیں فخر بھی تھا چنانچہ فرمایا۔ اَلْفَقْرُ فَخْرِىْ " فقر پر مجھے فخر ہے"۔ لیکن اس سے یہ مطلب اخذ نہ کیا جائے کہ اسلام رہبانیّت کی تعلیم دیتا ہے۔ اسلام تو رہبانیّت کا مخالف ہے۔ چنانچہ حدیث شریف ہے لَا رَهْبَانِيَّةَ فِى الْاِسْلَامِ " اسلام میں رہبانیّت نہیں ہے" اسلام افراط و تفریط کا مذہب نہیں ہے بلکہ ایک جادہ اعتدال ہے۔ اسلام اعتدال اور میانہ روی کا حکم دیتا ہے وہ یہ بھی کہتا ہے کہ اَلدُّنْيَا جِيْفَةٌ " دنیا ایک مردار ہے۔ اور دوسری طرف یہ بھی کہتا ہے " كَادَ الْفَقْرُ اَنْ يَّكُوْنَ كُفْرًا" افلاس انسان کو کفر کے قریب پہنچا دیتا ہے" حدیث شریف میں ہے۔ خَيْرُ الْاُمُوْرِ اَوْسَطُهَا وَ اَدْوَمُهَا۔ اچھے کام وہ ہیں۔ جو معتدل ہوں اور ہمیشہ کئے جائیں"۔

اقتصادی لحاظ سے اسلام کی کمیونزم پر برتری ثابت ہو چکی۔ اور یہی کمیونزم کا وہ پہلو ہے جس کی بدولت ناداں مسلمان کمیونزم کو اسلام پر ترجیح دیتے ہیں۔ حیرت کی بات ہے اور ماتم کا مقام کہ مسلمان جن کے پاس اسلام جیسا خدائی قانون موجود ہے جس میں دینی و دنیاوی ہر طرح کی فلاح و بہبود مضمر ہے اس کے ہوتے ہوتے دوسرے انسانی ناخن عقل سے تراشے ہوئے قوانین کی طرف دوڑاتے ہیں ہمیں چاہیئے تو یہ تھا کہ ہم تمام عالم کو ظلم و جور اور استبداد سے بچاتے اور دنیا کے گوشے گوشے میں اسلام کی روشنی پھیلاتے اور تمام دنیا کو اسلام کے جھنڈے تلے لاتے۔ مگر واویلا دیا حسرتا کہ ہم دوسرے لوگوں کو اسلام کی تبلیغ کرنا اور ان کو اسلامی علوم کے نیچے لانا تو کجا خود اپنی حفاظت اور اپنے علاقوں کی سالمیت کیلئے کفار کے محتاج ہیں۔ اور یہ ہے۔ شریعت اسلامی پر عمل پیرا نہ ہونے کا نتیجہ۔ ع

شامت اعمال ما صورت نادر گرفت

حدودِ اسلام میں تشدد نہیں تحفظ ہے

محمد سلیمان ہزاروی

عن غضیف بن الحارث الثمالیؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما احدث قوم بدعۃ الا رفع مثلھا من السنۃ فتمسک بسنۃ خیر من احداث بدعۃ۔ (رواہ احمد)

جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ جب کوئی قوم کسی بدعت کو اختیار کرتی ہے، تو سنت اُٹھ جاتی ہے۔ اس لئے سنت پر عمل کرنا بہتر ہے بدعت کے پیدا کرنے سے)

دنیا کا ہر انسان متمدن ہے۔ متمدن کا کیا مطلب ہے؟ یعنی رہنے سہنے میں محتاج ہے۔ کسی دستور اور کسی ضابطے کا، ہر انسان کو روٹی کھانی پڑتی ہے۔ پانی پینا پڑتا ہے۔ لباس کا بھی انسان محتاج ہے۔ چلنے پھرنے کا اٹھنے، بیٹھنے کا انسان کو احتیاج ہے۔ ان سب کاموں میں وہ کسی طریقہ کو اختیار کرے گا۔ اگر اس نے ان سب کاموں میں جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ اختیار کیا تب بھی زندگی تو گزر جائے گی اور اگر آپ کے خلاف کسی اور طریقے کے تحت اپنے ایام گزارے تب بھی زندگی گزر جائے گی۔ لیکن پہلی صورت میں اس کی زندگی بن جائے گی۔ زندگی دین بن جائے گی۔ زندگی، بندگی بن جائے گی۔ اور دوسری صورت میں زندگی دراصل زندگی نہ ہوئی بلکہ شرمندگی ہوئی ؎

بندہ آمد از برائے بندگی
زندگی بے بندگی شرمندگی

اس کی موٹی سی مثال یوں سمجھ لیجئے پانی تو سب ہی پیتے ہیں ایک آدمی نے دائیں ہاتھ میں گلاس لے کر بسم اللہ کر کے تین سانس میں پانی پیا اور پھر الحمد للہ کہا اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کیا۔ پیٹ تو اس نے بھی بھر لیا، پیاس تو اس کی بھی بجھ گئی، اور ایک دوسرے آدمی نے بائیں ہاتھ میں گلاس لے کر ایک ہی دفعہ سارا پانی بھینس کی طرح پی لیا۔ پرواہ ہی نہ کی کہ دائیں سے پی رہا ہے یا بائیں سے، جیسے آیا نہ بسم اللہ، نہ الحمد للہ۔ پانی تو اس نے بھی پی لیا۔ پیاس تو اس کی بھی بجھ گئی۔ لیکن اس نے صرف پیٹ ہی بھرا اس میں دین کا کوئی دخل نہیں۔ لیکن پہلے آدمی نے جس طرح پانی پیا، اس کی پیاس بھی بجھ گئی۔ اور اس میں دین بھی آگیا، دیکھنے والے کو پتہ چل گیا کہ یہ مسلمان ہے، کیونکہ مسلمان کی زندگی تو ہر لحاظ سے ممتاز ہے ایک نظام کے ماتحت ہے، مسلمان تو جوتا پہنتے ہوئے بھی یہ سوچتا ہے کہ میرا یہ کام میرے دین کے مطابق ہے میرے تمدن کے منافی تو نہیں، میرے نظام کے خلاف تو نہیں اس طرح یہ پھر اس کی عادت ثانیہ بن جاتی ہے۔ پھر بغیر سوچے بھی اس کا پاؤں غلط طرف نہیں جاتا۔ اگر چلا بھی گیا تو مسلمان فوراً چونک پڑتا ہے۔

حضرت عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق ہے۔ آپ ایک دفعہ اپنے شاگردوں کے ساتھ باہر نکلے۔ کافی دُور چلے گئے پھر واپس آئے پھر گئے۔ کسی نے پوچھا حضرت آپ اتنی دُور جا کر پھر واپس لوٹے یہ کیوں؟ فرمایا پہلے جب میں گھر سے نکلا تو مجھے یاد نہیں کہ میں نے دایاں پاؤں باہر نکالا یا بایاں اس لئے میں دوبارہ لوٹ کر گیا۔ اللہ والے تو اس حد تک احتیاط کرتے ہیں مسلمان کی زندگی، مسلمان کے تمدن کا ایک خاص حلقہ اور دائرہ ہے۔ زندگی گزارنی تو ضرور ہے تو کسی نظام کے تحت ہونی چاہیئے تو بہتر نظام اسلام کا نظام ہے جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّت ہے ہے۔ ایک دفعہ ایک آدمی نے نیا مکان بنایا۔ تو برکت کے لئے پہلے اپنے پیر صاحب کو دعوت دی۔ تاکہ حضرت صاحب اپنے قدوم مبارک سے میرے مکان کو شرف بخشیں، پیر صاحب نیک آدمی تھے۔ مرید سے پوچھا! بھائی یہ روشندان کس لئے لگائے ہیں؟ حالانکہ انہیں معلوم تھا کہ ہوا کے لئے لگائے گئے ہیں۔ لیکن دیکھنا چاہتے ہیں کہ میرے مرید میں کچھ دین بھی ہے یا نہیں! عرض کی حضرت یہ ہوا کے لئے چھوڑے گئے ہیں فرمایا سارے اگر اس نیّت سے بناتے۔ کہ ان سے مجھے اذان کی آواز سنائی دے اور میں نماز کو پہنچ سکوں تو یہ تیرے لئے دین بن جاتے۔ ہوا تو ویسے بھی آتی۔ ایسا کوئی بیوقوف نہیں جو کہے کہ بھائی میں نے گوبر اکٹھا کرنے کے لئے بھینس لی ہے۔ بھینس انسان دودھ کے لئے لیتا ہے۔ گوبر خود بخود پاؤں میں آ گرتا ہے۔ حضرت صاحب نے مرید کو سمجھایا کہ ہوا تو خواہ مخواہ آتی تو اگر بناتے وقت یہ نیّت کر لیتا تو یہ روشندان بھی تیرے لئے دین بن جاتا جیسے میں نے مثال عرض کی ہے۔ کہ پانی کھڑے ہو کر پیو تو بھی پیاس بجھ جائے گی۔ بیٹھ کر پیو تو بھی۔ بسم اللہ کر کے پیو تو بھی۔ بغیر بسم اللہ کے پیو تو بھی۔ لیکن دونوں میں بڑا فرق ہے۔ ایک نے سُنّت کو قائم کیا۔ آپؐ کے طریقے کو قائم کیا۔ دوسرے نے بدعت کو جنم دیا میرے بھائیو! دین صرف عقیدے کا نام نہیں۔ یہ مان لینا کہ اللہ تعالےٰ ایک ہے۔ اور آپؐ اللہ کے سچّے رسول ہیں۔ بلکہ دین ایک مستقل نظام حیات ہے۔ اگر ہمارے لباس، ہمارا کھانا پینا ہمارا اٹھنا بیٹھنا دین کے خلاف ہے۔ تو ہم مقصد حیات کو بھلا بیٹھے اس لئے فرمایا کہ جب کوئی جماعت، کوئی قوم کسی بدعت کو جنم دیتی ہے تو سُنّت اٹھ جاتی ہے۔ اس لئے بدعت کے پیدا کرنے سے بہتر ہے کہ سُنّت پر عمل کرنیسے دین، دنیا دونوں کے کام پورے ہو جائیں گے۔ پانی بھی پی لیا۔ اور سُنّت بھی ادا ہو گئی۔ اللہ بھی راضی ہو گیا۔ پیٹ بھی بھر گیا۔ اس لئے اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی تمہارے لئے بہتر نمونہ ہے۔ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ط حسّان بن ثابت رضی عنہ دربار نبوّت کے شاعر ہیں۔ فرماتے ہیں۔ جب لوگ بدعت کو اختیار کرتے ہیں۔ تو سُنّت اٹھ جاتی ہے اور پھر وہ سُنّت قیامت

تک اس قوم کو نہیں ملتی ۔ چنانچہ دیکھ لیں ۔ آج ہمارا کیا حال ہے ۔ ہمارا رہنا سہنا بول چال سب کچھ اسلام کے خلاف ہے ہم بہت دور جا چکے ہیں اس راستے سے جو راستہ ہے جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ و سلم کا ۔ پہلے ایک کڑی نکلی ۔ پھر دوسری کڑی نکلی ۔ نکلتے ۔ نکلتے چنانچہ ۔ آج ہم کہاں کے کہاں پہنچ گئے اس لئے تقلید جیسے کہتے ہیں ۔ اس میں آدمی پابند رہ کر اپنے دین کو محفوظ رکھ سکتا ہے ۔ لیکن آج بعض لوگ بلکہ علماء بھی کہتے ہیں کہ اتنا تشدّد نہیں ہونا چاہیئے ۔ بھائیو! یہ تشدّد نہیں ۔ یہ تو تحفظ ہے ۔ دیکھئے ۔ سائیکل پر دو سوار ہوئے تو چالان ۔ رات کے وقت سائیکل کے ساتھ بتّی نہ ہوئی تو بھی چالان ۔ سڑک پر بائیں نہ چلو تو بھی قابلِ گرفت ۔ لیکن وہاں نہیں کہتے کہ تشدّد ہے ۔ قانون میں تشدّد ہی ہوا کرتا ہے بلکہ زندگی کے ہر شعبہ میں تشدّد ہے قمیض کے سامنے کے بٹن ہونے چاہئیں ۔ نہ ہونے تو کیا قمیض نہ ہو گی ۔ بلکہ بازو کے بھی بٹن ضرور ہونے چاہئیں ۔ کیا یہ تشدّد نہیں ، کیا شلوار میں ازار بند ہونا چاہیئے یہ تشدد نہیں ۔ بوٹ کے تسمے تشدّد نہیں؟ یہ ایک نظام پر ۔ جس کے تحت ہم زندگی کی کشتی کو چلا رہے ہیں ۔ آج لوگ کہتے ہیں کہ ان مولویوں نے اسلام کو بہت تنگ کر دیا ہے ۔ بات بات پر اسلام سے خارج کر دیتے ہیں ۔ ٹھیک ہے بھائی! جس نے لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ پڑھا ہے ۔ اس کی بڑی قدر ۔ اتنی جلدی اسلام سے نہیں نکلتا ۔ لیکن بھائی آہستہ آہستہ کڑیاں کھلتی رہیں تو ایک دن آتا ہے کہ آدمی اسلام سے پورا نکل جاتا ہے اور اسے پتہ بھی نہیں چلتا ۔ ایک آدمی پانچ وقت نمازی تھا ۔ ایک نماز رہ گئی ۔ فوراً سنبھل گیا ۔ اف ! مجھ سے بڑی غلطی ہو گئی ہے ۔ قضا کی ۔ اللہ کے حضور توبہ کی ۔ اور ساتھ کوشش کی کہ کبھی پھر نماز قضا نہ ہو ۔ اور ایک ہے کہ نماز رہ گئی اور کوئی پرواہ ہی نہ کی ۔ کہ کدھر ہوش آیا ۔ لیکن شیطان نے لائن لگا دی چلو بھائی پھر پڑھ لیں گے ۔ خدا بڑا غفورٌ الرّحیم ہے ۔ اللہ بخش دیتا ہے ۔ جمعہ پڑھ لیں گے ۔ پہلے ٹھاٹھ کا نمازی تھا ۔ اب آٹھ کا نمازی بن گیا شیطان نے ایسا اڈہ لگایا کہ آٹھ دن پیچھے دھکیل دیا ۔ اب چند جمعے اس طرح ادا کئے ۔ پھر شیطان نے دیکھا ۔ اب میرے قابو آ گیا ہے ۔ پھر ذرا تسلی دی ۔ دیکھا کڑیاں ٹوٹتی جا رہی ہیں ۔ اب دیکھیں آہستہ آہستہ ، دھیرے دھیرے ، یہ کہاں پہنچ جائے گا ۔ آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا ؟ اب اسے شیطان جمعہ چھڑا کے عید پر لے گیا ۔ اب آٹھ سے تین سو ساٹھ پر آ گیا ۔ دیکھا ذرا سی غفلت نے اسے تین سو ساٹھ دن پیچھے دھکیل دیا ۔ اب بھائی عید تو کہیں تین سو ساٹھ دنوں کے بعد آتی ہے ۔ جب دن میں پانچ دفعہ منادی کرنے والوں کی آواز جسے سنائی نہیں دیتی ۔ اسے ایسے خوشی کے دن ۔ یاروں کی محفل ۔ رنگا رنگ پروگرام ۔ عید کی نماز پڑھنے کب جاتے دیں گے ۔ پھر جس قسم کا آدمی ہوتا ہے ویسی اسے محفل مل جاتی ہے ۔ تو بھائی اب یہ صرف کھاٹ کا نمازی رہ گیا ۔ کہ کہیں کوئی چچا ۔ ماموں یا رشتہ دار فوت ہو گیا ۔ تو با وضو یا بے وضو نماز جنازہ پڑھا دی اور وہ بھی آج کے اس دور میں مفقود نظر آتی ہے ۔ اکثر ایسا دیکھا گیا ہے کہ باپ کی میّت سامنے پڑی ہے ۔ باقی شہر کے ۔ محلے کے لوگ نماز جنازہ ادا کر رہے ہیں ۔ بیٹا علیحدہ کھڑا دیکھ رہا ہے ۔ بلکہ بعض تو آتے ہی نہیں جنازہ کے ساتھ گھر سے ہی نہیں نکلتے ۔ بوڑھا مر گیا ۔ جاو دفن کر دو ۔ میرا تو پروگرام ہے ۔ میں اپنے پروگرام پر جا رہا ہوں ۔ نماز جنازہ آتی ہی نہیں دیکھئے ایک ایک کڑی ٹوٹتے معاملہ کہاں تک پہنچ گیا ۔ اور اسی طرح ایک دن آتا ہے کہ آدمی اسلام سے نکل جاتا ہے ۔ اسی لئے امام الاولیاء حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ اکثر یہ حدیث بیان فرمایا کرتے تھے اپنے خطبوں میں ۔ اور خاص کر زندگی کے آخری ایّام میں تو بہت زیادہ بیان فرماتے مَنْ تَرَكَ الصَّلٰوةَ مُتَعَمِّدًا فَقَدْ كَفَرَ ۔ جس نے ایک نماز بھی جان بوجھ کر چھوڑ دی پس اس نے یہ کفر کا کام کیا ۔ فرماتے صلوٰۃ کا لفظ آیا ہے ۔ صَلَوَاۃ کا لفظ نہیں آیا ۔ مراد ہے ایک نماز بھی ۔ اس لئے اسلام نے حدود مقرر فرمائیں ۔ تا کہ ان میں رہ کر آدمی اپنی دنیا بھی بہتر بنا سکے اور دین کو بھی اپنا سکے ۔ اسی لئے حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب کسی قوم میں بدعت آ گئی ۔ تو سُنّت اٹھ جائے گی اور پھر وہ سُنّت انہیں قیامت تک نہ مل سکے گی ۔ اور اس بدعت کا رکھنا ان کے لئے مشکل بن جائے گا ۔ بلکہ وہ بدعت دن بدن معاشرے میں پھیلے گی ۔ پھر اس بدعت سے کئی بدعتیں پیدا ہوں گی ۔ چنانچہ دیکھ لیں آج قوم کا سارا بدن چھلنی ہو چکا ہے ۔ کوئی ایک بیماری ہو تو علاج کیا جائے ۔ اللہ تعالےٰ رحم فرماوے ۔ (آمین)

جمعیت حدیث کانفرنس

زیر اہتمام تنظیم اہل سُنّت والجماعت لیّہ میں زیر صدارت حضرت مولانا سیّد نور الحسن شاہ صاحب بخاری صدر تنظیم اہلسنّت پاکستان مورخہ ۲۷، ۲۸، ۲۹ رجب المرجب ۱۳۸۶ھ مطابق ۱۱، ۱۲، ۱۳ نومبر ۶۶ء منعقد ہو رہی ہے جس میں مندرجہ ذیل حضرات علمائے کرام و شعرا شرکت فرما رہے ہیں

حضرت العلامہ جناب مولانا شمس الحق صاحب افغانی ۔ سابق وزیر معارف قلات ؛ جانشین شیخ التفسیرؒ حضرت مولانا محمد عبید اللہ صاحب انور امیر انجمن خدام الدین لاہور ۔ حضرت مولانا مفتی محمود صاحب ناظم جمعیۃ العلماء اسلام پاکستان ۔ حضرت مولانا محمد علی صاحب جالندھری ۔ حضرت العلامہ مولانا دوست محمد صاحب قریشی نقشبندی ؛ حضرت مولانا قائم الدّین صاحب ؛ حضرت مولانا عبد المالک صاحب نقشبندی مدظلہ العالی ۔ حضرت مولانا محمد ضیاء القاسمی صاحب حضرت مولانا مناظر حسین صاحب نظر ۔ ایڈیٹر خدام الدین لاہور ۔ ۔ حضرت مولانا غلام قادر صاحب مہتمم مدرسہ اسلامیہ فاروقیہ ۔ حضرت مولانا عبد العزیز صاحب مبلغ اہلسنۃ ۔ حضرت الحافظ مولانا عطاء اللہ صاحب ۔

شعرائے کرام :۔ شاعر اسلام تنظیم اہلسنۃ جناب خان محمد صاحب کمتر پیلاں ۔ جناب حشمت صاحب جھنگ ۔ جناب احمد بخش صاحب چشتی جھنگ صدر

نوٹ :۔ لاؤڈ سپیکر کا اور مستورات کے لئے پردہ کا خاص انتظام ہو گا ۔ مدعوین حضرات کے علاوہ ہر شخص طعام و قیام کا خود ذمہ دار ہو گا ۔

الداعیان الی الخیر :۔ اراکین انجمن تنظیم اہل السُّنۃ لیّہ ضلع مظفر گڑھ

سالانہ جلسہ

مغربی پاکستان کی مشہور دینی درس گاہ دار العلوم عید گاہ کبیر والا ضلع ملتان کا سالانہ تبلیغی جلسہ مورخہ ۹، ۱۰، ۱۱ شعبان ۱۳۸۶ھ مطابق ۲۳، ۲۴، ۲۵ نومبر ۱۹۶۶ء بروز بدھ و جمعرات و جمعہ منعقد ہو رہا ہے حسب سابق مغربی پاکستان کے جیّد علماء کرام و مشائخ عظام و اکابرین ملت تشریف لا کر اپنے مواعظ حسنہ سے مستفید فرمائیں گے ۔ سال ۸۳ھ ۸۴ھ کے فارغ التحصیل علماء کرام کی دستار بندی بھی ہو گی احباب تاریخیں نوٹ فرما لیویں ۔

(محمد منظور الحق عفی عنہ نائب مہتمم دار العلوم عید گاہ کبیر والا)

جرائم اور ان کے انسداد کا مسئلہ

محترم محمد امین ہیڈ ماسٹر بورسٹل سکول
بہاولپور

خداوندِ قدوس نے بنی نوع انسان کو معرضِ تخلیق میں لانے کے بعد "اشرف المخلوقات" کے ممتاز لقب سے سرفراز فرمایا۔ لیکن اس اعلیٰ مرتبہ کے حصول اور بحالی کے لئے کچھ پابندیاں عائد کر دیں۔ جن کو عبور کئے بغیر کوئی انسان متذکرہ لقب کا صحیح اہل نہیں بن سکتا۔ ان پابندیوں میں ایثار و قربانی ضبط نفس دوسروں لوگوں کے جذبات و احساسات کا دھیان اور اپنا مقصد تخلیق (وما خلقت الجنّ والانس الّا لیعبدون) سرِ فہرست ہیں۔ چنانچہ اعلیٰ لقب سے ملقب ہونے کے بعد اس سے متعلق پابندیوں کی ادائیگی لابدی ہو جاتی ہے جن کی عدم ادائیگی کی صورت میں انسان کا مرتبہ کم ہو جاتا ہے۔ بلکہ وہ نہایت ہی پست احسن تقویم سے ہٹ کر اسفل السافلین ہو جاتا ہے۔ فطری طور پر انسان گناہ اور بدی کی طرف جلدی مائل ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ راہ نہایت آسان نظر آتی ہے۔ اس کے فانی خطوط بظاہر بڑے مسحور کن اور دل کش نظر آتے ہیں۔ لیکن اس کے برعکس نیکی کی راہ میں ہر قسم کی رکاوٹیں خواہشات کی قربانی اور ضبط نفس ایسے کٹھن مراحل طے کرنے پڑتے ہیں" امید فردا" پر "خون جگر" کرنا پڑتا ہے۔ چنانچہ عام طور پر ہمت کے ہیٹے اپنے لئے اوّل الذکر راہ ہی منتخب کرتے ہیں اور نفسانی خواہشات کی تکمیل کے لئے دوسرے لوگوں کے حقوق کی پامالی شروع کر دیتے ہیں اور یہاں ہی سے جرم کی ابتدا شروع ہوتی ہے۔

جرائم کی تاریخ نہایت پرانی ہے۔ لیکن اس سے یہ بات پوری طرح مترشح ہے کہ اس کی ابتدا ذاتی منفعت اور تسکین نفس سے شروع ہوئی ہے چنانچہ جرم کی اقسام اور نوعیات بھی مختلف رہی ہیں۔ اور اس کا دائرہ اس قدر پھیلا کہ دنیا میں انسانی محاربہ و جدال کے غیر مختتم سلسلے اس کا ایک ادنیٰ کرشمہ ہیں۔ اور دنیاوی ترقی کے ساتھ اس کے دائرہ کار میں بھی بدستور وسعت ہو رہی ہے۔ چنانچہ انسانی ذہن نے جہاں زہرہ و مریخ پر کمندیں ڈالی ہیں وقت اور فاصلہ کو معدوم کر دیا ہے۔ ہواؤں میں بلند پروازیاں اور سمندروں میں غواصی کی ہے۔ وہاں تلبیس و فریب قتل و غارت اور جرم و جور کے ایسے ایسے حیران کن طریقے ایجاد کئے ہیں کہ دنیا کے بڑے بڑے دانشور اور ماہرین نفسیات اس سلسلہ کو ختم کرنے کی کوشش میں انگشت بدنداں نظر آتے ہیں۔ بڑے بڑے مصلحین نے اس کے استیصال کے لئے نظریات پیش کئے ہیں۔ لیکن اس کی قلمرو دن بدن وسعت پذیر ہے۔ موجودہ وقت میں یہ مسئلہ عالمی حیثیت اختیار کر چکا ہے اور واقعی اس مسئلہ کی اہمیت ہی کچھ اس قسم کی ہے کہ اسے عالمی سطح پر پرکھا جائے اور اس کے انسداد کے لئے ایک مجموعی کوشش کی جائے، تاکہ انسانیت کو فروغ حاصل ہو۔ اور امن و چین کا دَور دورہ ہو۔

انسانی ذہن کے اندر جرم کو ختم کرنے کی خواہش اپنی جگہ پر نہایت محترم اور قابلِ تحسین ہے۔ لیکن محض بلند بانگ دعاوی سے یہ خواہش شرمندۂ تکمیل نہیں ہو سکتی۔ جس طرح عدم ایثار سے جرم شروع ہوتا ہے اب اسی طرح ایثار اور تحمّل کے بغیر یہ سیل بے پناہ تھمتا بھی نظر نہیں آتا۔ چنانچہ اسے روکنے کے لئے ہمیں تمام عوامل و محرکات جو اس کو جنم دیتے ہیں کا تفصیلی جائزہ لینا پڑے گا۔ اور ان کی مناسب تکمیل کے بعد ایک اور قدم اٹھانا پڑے گا۔ یعنی مختلف نظریات کی روشنی میں ہمیں یہ دیکھنا چاہیئے کہ کون سا نظریہ کس حد تک انسداد جرم میں کامیاب ہوا ہے۔ اور مجموعی طور پر کس کا تناسب زیادہ ہے چنانچہ اس سلسلے میں اسلام کا نظریہ تعزیر کا جائزہ ہمیں مقصد کے بالکل کے قریب لے جاتا ہے اور دنیا کے مختلف اقطاع جن میں اس قسم کی کوشش کی گئی ہیں اس نظریہ کا پرتو نظر آتا ہے۔ چنانچہ ہمیں چاہیئے کہ اس کی روشنی میں جدید طریقہ، جرائم کا علاج ڈھونڈیں۔

یہ انسانی فطرت ہے کہ وہ بخوشی نفس پر ذرا سا بار بھی برداشت نہیں کرتا۔ لیکن خوفِ عقوبت سے وہی انسان ہر قسم کی قربانی دینے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ روس۔ جرمنی اور دوسرے ممالک جن میں جرائم کے بدلے بدترین سزا دی جاتی۔ گو بظاہر یہ طرز عمل ظالمانہ نظر آتا ہے۔ لیکن ایک عرصہ کے تجربے کے بعد وہاں جرائم میں معتدبہ کمی واقع ہو گئی۔ اور انسان نے اتلاف حقوق کی جگہ تخویف سے صبر و قناعت کا راستہ اختیار کیا۔ لیکن با ایں ہمہ جرم ختم نہ ہوا۔ مگر خوف سزا سے دب ضرور گیا۔ لیکن یہ شرف اسلام اور صرف اسلام کو حاصل ہے۔ کہ اس نے انسان کو "جو تم[1] میں کوئی شخص اس وقت تک کامل مومن نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ وہ دوسرے مسلمان بھائی کے لئے وہی چیز پسند نہ کر لے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے" کا سبق پڑھ کر اور وہ[2] کام جرم قرار دے کر میں کے فاش ہونے سے تمہیں پر فاش ہو" سے منع فرما کر جرم کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند کر دیا۔ لیکن مادی دنیا کی چکا چوند تساہل و نفس پرستی نے انسان ان زرّیں اصولوں کی پابندی کے بجائے خود اصول وضع کرنے پر آمادہ کر لیا۔ جو میرے خیال میں بذاتِ خود ایک جرم تھا۔ (باقی باقی)

میری نماز

از مولانا محمد ادریس صاحب انصاری

سوچ کر جواب دیجئے؟

س: صبح کی نماز کیوں فرض ہوئی؟ (س) مغرب کی نماز مقرر کرنے کی کیا وجہ ہے؟ (س) نماز کے لئے عصر کا وقت کیوں مقرر ہوا؟ (س) نماز میں کعبہ کی طرف منہ کرنا کیوں ضروری ہے؟ (س) نماز میں ہاتھ باندھ کر کیوں کھڑے ہوتے ہیں؟ (س) نماز کی ہر رکعت میں ایک رکوع اور دو سجدے رکھنے کی کیا وجہ ہے؟ (س) نماز کی ابتداء اللہ اکبر کے ساتھ کیوں کی گئی؟ (س) نماز میں الحمد کیوں پڑھی جاتی ہے؟ (س) سجدے میں سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلٰى اور رکوع میں سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْم کیوں مقرر ہوا؟ (س) نماز کے شروع میں کانوں تک ہاتھ اٹھانے کی کیا وجہ ہے؟ (س) ایک سجدے کے بعد بیٹھنے میں کیا حکمت ہے؟ (س) رکوع کے بعد سیدھے کھڑے ہونے میں کیا مصلحت ہے؟ (س) امام ظہر میں قرآن آہستہ اور مغرب، عشاء اور فجر میں بلند آواز سے کیوں پڑھتا ہے؟ (س) نماز کے اختتام پر سلام کا لفظ کیوں مقرر ہوا؟

نماز کے متعلق یہ سوالات اور اس قسم کے دوسرے جوابات اگر سمجھ میں نہ آئیں تو آج ہی "میری نماز" منگا کر حل کر لیجئے۔ قیمت ایک روپیہ پچاس پیسے کاغذ سفید، کتابت طباعت آفسٹ۔

محمود الحسن، نور محمد ناشران و تاجران کتب ۴۔ بی شاہ عالم لاہور

دار العلوم اسلامیہ ڈگری ضلع تھرپارکر کا گیارھویں سالانہ

تبلیغی جلسہ

زیر سرپرستی حضرت مولانا حکیم محمد حیات علی صاحب، سرپرست مدرسہ ہذا مدظلہٗ و حاجی جان محمد مورخہ ۲۸، ۲۹، ۳۰ اکتوبر ۱۹۶۶ء مطابق ۱۳، ۱۴، ۱۵ رجب المرجب ۱۳۸۶ھ بروز جمعہ، ہفتہ، اتوار ہونا قرار پایا ہے جس میں مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی و مولانا عطاء المنعم شاہ صاحب بخاری۔ مولانا محمد حیات و مولانا دوست محمد صاحب قریشی و مولانا محمد لقمان صاحب و مولانا محمد امیر الدین صاحب و مولانا عبد الشکور صاحب دین پوری جناب سید محمد امین صاحب گیلانی و صوفی محمد بخش صاحب و حافظ محمد شریف صاحب تشریف لا رہے ہیں۔

الداعی الی الخیر: محمد شفیع مہتمم دار العلوم اسلامیہ ڈگری۔

جانشین شیخ التفسیر حضرت مولانا عبید اللہ انور مدظلہ العالی کا

تبلیغی پروگرام

۲۹ اکتوبر بروز ہفتہ صبح بذریعہ تیز رو روانگی کیمبل پور جامعہ مدنیہ کے سالانہ جلسہ میں شرکت فرمائیں گے۔

۳۰ اکتوبر صبح روانگی واہ کینٹ بنگلہ ۱۵/۶ اعوان روڈ میں درس میں شرکت فرمائیں گے۔

نماز عصر جامع مسجد واہ کینٹ میں ادا کریں گے نماز مغرب کے بعد لوسر شرفو میں مجلس ذکر ہوگی نماز عشاء کے بعد جامعہ مدنیہ کے سالانہ جلسہ کی صدارت فرمائیں گے تقاریر حضرت مولانا محمد اجمل صاحب خطیب جامع رحمانیہ قلعہ گوجر سنگھ لاہور۔ اور جناب ڈاکٹر مناظر حسین صاحب نظر ایڈیٹر خدام الدین کی ہوں گی۔

۳۱ اکتوبر صبح پنڈی گھیپ تشریف لے جائیں گے

یکم نومبر۔ مدرسہ عربیہ فیض العلوم کھوڑ ضلع راولپنڈی میں ورود مسعود ہوگا۔ انشاء اللہ

۲۔ نومبر واپسی برائے لاہور۔

(حاجی بشیر احمد)

جلسہ

مورخہ ۳۰ اکتوبر ۱۹۶۶ء بروز اتوار موضع لوسر شرفو نزد واہ کینٹ میں حضرت مولانا عبید اللہ صاحب انور امیر انجمن خدام الدین لاہور جلوہ افروز ہو رہے ہیں۔ آپ کے ہمراہ حضرت مولانا محمد اجمل خاں صاحب خطیب جامعہ رحمانیہ قلعہ گوجر سنگھ لاہور اور جناب ڈاکٹر مناظر حسین صاحب نظر ایڈیٹر خدام الدین بھی تشریف لا رہے ہیں۔ احباب سے درخواست ہے کہ اس پاکیزہ مجلس میں شرکت فرما کر ثواب دارین حاصل کریں۔ لاؤڈ سپیکر اور پردہ کا انتظام ہوگا۔ پروگرام حسب ذیل ہوگا۔

۱۔ مجلس ذکر بعد از نماز مغرب مقام: جامعہ مدنیہ رحمانپورہ لوسر شرفو

۲۔ جلسہ بعد از نماز عشاء " " "

نوٹ:۔ اسی روز صبح دس بجے حضرت اقدس اور ان کے شرکاء سفر واہ کینٹ کے درس قرآن میں بھی تشریف لائیں گے احباب نوٹ فرما لیں۔

(الداعی الی الخیر۔ محمد عرفان ناظم جامعہ مدنیہ رحمانپورہ، لوسر شرفو)

بچوں کا صفحہ

سچائی کی طاقت

سناتا ہوں آج ایک تم کو کہانی / سنی تھی جو کل والدہ کی زبانی
کہ گیلان میں ایک مرد خدا تھا / خدا کی عبادت میں جو بے ریا تھا
وہ تھا نیکیوں میں مثال آپ اپنی / بہت کم ہے تعریف ہو اس کی جتنی
خدا کی عبادت کا تھا ذوق اُس کو / نبیؐ کی اطاعت کا تھا شوق اس کو
اُسے نیکیوں سے محبت تھی اتنی / چکوری کو چندا سے ہوتی ہے جتنی
انہی خوبیوں کی بدولت یہ عالم / سمجھتا ہے اب بھی اُسے غوثِ اعظمؒ [1]

اسی کے یہ بچپن کا قصہ ہے بچو / اسے پڑھ کے تم بھی کوئی بات سیکھو

تھا بغداد کا اُن دنوں خوب چرچا / جہاں میں تھا وہ علم و حکمت کا چشمہ
کیا فیصلہ غوثِ اعظمؒ کی ماں نے / کہ دیں سیکھنے اُس کو بغداد بھیجے
ہوئی جلدی آرزو اُس کی پوری / خبر آئی اک قافلے کے سفر کی
اسی قافلے میں کیا اُس کو شامل / ہوئی یوں بزرگوں کی سنت پہ عامل
سفر خرچ کے واسطے نیک ماں نے / دیے ٹانک گدڑی میں چالیس سکے
انہیں اس طریقے سے لیکن سیا تھا / کہ چوری کا کھٹکا نہ باقی رہا تھا
کی اُس کو چلنے سے پہلے نصیحت / پڑے خواہ کیسی ہی تجھ پر مصیبت
کسی حال میں بھی نہ تو جھوٹ کہنا / کہ سچ ہی جہاں میں ہے انساں کا گہنا
یہ سن کر وہ نیک اور معصوم بچہ / ہوا اپنی منزل کی جانب روانہ

ابھی راستے ہی میں یہ قافلہ تھا / لٹیروں نے آکر اسے آن گھیرا
تھے جتنے سب اُنہیں خوب لوٹا / کسی کو بھی اُن ظالموں نے نہ چھوڑا
یہ تنہا مسافر بھی مشکل میں آیا / مگر اُس کے سامان میں کچھ نہ پایا
لٹیروں نے آخر یہ پوچھا کہ لڑکے / چھپائے ہیں تو نے کہاں اپنے پیسے
یہ سن کر کہا غوثِ اعظمؒ نے اُن سے / کہ گدڑی کے اندر ہی رکھے ہیں سارے
یہ سن کر جو پھر اُن لٹیروں نے دیکھا / تو گدڑی میں موجود نقدی کو پایا
وہ حیران و ششدر تھے اس واقعے سے / کہ سچ کہہ کے کیوں اپنے پیسے گنوائے
کہا ہم کو یہ راز کیوں ہے بتایا / یونہی اپنی دولت کو ناحق گنوایا
یہ سن کر کہا غوثِ اعظمؒ نے اُن سے / نصیحت یہ کی تھی مری پیاری ماں نے
کسی حال میں بھی نہ میں جھوٹ بولوں / فقط سچ ہی بولوں زباں جب بھی کھولوں
اثر کر گئی دل میں یہ بات اُن کے / وہ رونے لگے اُن کے قدموں میں گر کے
اور یاں لگے کہنے یہ حال / کہ حکمِ خدا سے بھی غافل
کہا آپ / اور اک ہم
پہنچتے ہوئے گڑگڑا کر وہ رو رو کے / پھر اُس طرح حضرت سلامت رہیں گے
کسی کو بھی اب ہم نہ لوٹا کریں گے / ہمیشہ ہی اب راہ سیدھی چلیں گے
صداقت میں کس درجہ طاقت ہے بچو / صداقت کا دامن نہ ہاتھوں سے چھوڑو

عابدہ نظامی

[1] صوفیا کی اصلاح میں "درجہ غوث" مراد ہے

۲۸ اکتوبر سنہ ۱۹۶۶ء

ٹیلیفون ۶۷۵۲۵

رجسٹرڈ ایل
نمبر ۶۰۴۷

The Weekly "KHUDDAMUDIN"
LAHORE (PAKISTAN)

چیف ایڈیٹر
عبید اللہ انور

منظور شدہ محکمہ تعلیم (۱) لاہور ریجن بذریعہ چٹھی نمبری G/۱۶۳۲۱ مورخہ ۳ مئی سنہ ۱۹۵۶ء (۲) پشاور ریجن بذریعہ چٹھی نمبری T.B.C ۲۳۶-۸۱/۲۴۱ مورخہ ۱۲ ستمبر سنہ ۱۹۵۶ء
(۳) کوئٹہ ریجن بذریعہ چٹھی نمبری ۳۹/۹/۶۶۷/۲-۹ DD مورخہ ۲۴ اگست سنہ ۱۹۶۴ء

ازواجِ مطہراتِ رسولؐ

مضطر گجراتی

وہ خواتینِ مکرم، یعنی ازواجِ رسولؐ
جن کو بخشا تھا لبِ الہام نے حسنِ قبول

وہ نوامیسِ حرم، وہ اہلِ بیتِ مصطفےٰ
وہ مجسم خیر و خوبی، وہ سراپا اتقا

وہ مقدس بیبیاں، وہ امہات المومنین
وارثِ عز و شرف فخرِ نساء العالمین

وہ مبارک بیٹیاں، حوا کی عظمت کی دلیل
درخورِ عزت، سزاوارِ سلامِ جبرئیلؑ

وہ پیمبرؐ کے امورِ خانہ داری کی امیں
جن سے سیکھا دخترانِ ملتِ بیضا نے دیں

صالحاتِ نیک طینت، طیباتِ پاک خو
کاملاتِ حسنِ سیرت، حافظاتِ آبرو

محسناتِ نوعِ انساں، مومناتِ ذی وقار
محصناتِ دینِ قیم، قانتاتِ حق شعار

شکر برلب، صبر در سینہ، قناعت در نگاہ
آیۂ تطہیر ہے جن کے تقدس پر گواہ

وہ حیا پرور، صداقت آفریں عفت مآب
خاص کر جن کے لئے اتری تھیں آیاتِ حجاب

خوگرِ حسنِ عمل، شائستۂ خلقِ عظیم
راسخ الایمان، شاکر مہرباں، صابر حلیم

بارہا جن سے کیا خلاقِ عالم نے خطاب
جن کو ہر نیکی پہ مولا نے دیا دہرا ثواب

حق سے وابستہ جنہوں نے اپنے دامن کر لئے
قسمتیں بیدار کر لیں، قلب روشن کر لئے

جلوۂ روئے نبی سے جن کے باطن مستنیر
جن کی روحیں مطمئن تھیں، آئینہ جن کے ضمیر

جن کو دنیا سے خدا نے بے نیازی بخش دی
عالمِ نسواں میں شانِ امتیازی بخش دی

جن کا اسوہ ہے نمونہ صنفِ نسواں کے لئے
فرض ہے تعظیم جن کی ہر مسلماں کے لئے

ان کے کاشانوں پہ رحمت، انکی روحوں پر سلام
جن کے زوجِ محترم ہوں حضرتِ خیر الانامؐ

کون جنت اُن کے قدموں سے طلب کرتا نہیں
ہائے وہ بدبخت! جو اُن کا ادب کرتا نہیں